www.kitabmart.in
عوامی حکومت
یا
ولایتِ فقیہ
آیت اللہ سید حسن طاہری خرم آبادی مدظلہ
دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

عوامی حکومت
یا
ولایتِ فقیہ

مؤلف
آیت اللہ سید حسن طاہری خرم آبادی مدظلہ

مترجم
حجۃ الاسلام مولانا روشن علی نجفی

یکے از مطبوعات

دارالثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان
۲ - جے - ۵/۴ ـــــ ناظم آباد ـــــ نمبر ۲ ـــــ کراچی

نام کتاب ـــــــــــ عوامی حکومت یا ولایت فقیہ

تالیف ـــــــــــ آیت اللہ سید حسن طاہری خرم آبادی

ترجمہ ـــــــــــ حجۃ الاسلام مولانا روشن علی نجفی

تصحیح ـــــــــــ سید سعید حیدر زیدی

کتابت ـــــــــــ سید جعفر صادق

ناشر ـــــــــــ دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

طبع اوّل ـــــــــــ ذالقعدہ ۱۴۱۰ھ جون ۱۹۹۰ء

تعداد ـــــــــــ ۲۰۰۰

ترتیب

مقدمہ
طبع : اوّل

ایک قلیل عرصہ کے سوا، ایرانی عوام اپنے پورے عرصۂ تاریخ میں ظلم و استبداد کی چکی میں پستے رہے ہیں اور دنیا کی ذہین ترین قوم ہونے کے باوجود ظلم و استبداد و آزادی چھن جانے اور غلامی کے باعث،

دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کا جز نہ بن سکے،

اور نہ بین الاقوامی میدان میں اپنی ذاتی لیاقت واستعداد

کا مظاھرہ کرسکے۔

اور اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ اس ظلم واستبداد کو استعمار نے اپنا زر خرید غلام بنالیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاشرہ کے ہر شعبۂ حیات میں خواہ وہ سیاسی ہو یا اقتصادی، ادبی ہو یا فوجی ـــــ یا ـــــ انتظامی، استعمار کا پورا پورا عمل دخل ہوگیا۔ اور پھر جیسا کہ ہر استعماری معاشرہ میں صرف انھیں پروگراموں کو روبعمل لایا جاتا ہے جن سے امپیریلزم ہی کا نفع وابستہ ہو۔ ایران میں بھی یہی

سب کچھ کیا جانے لگا اور ان تمام چیزوں کو ختم کر دیا گیا جن سے استعمار کو یا اس کے منافع کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

اور اسی لیے ایرانی عوام جہالت و ناآگاہی اور سیاسی مسائل سے بہت دُور پڑے رہ گئے۔ اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ روز بروز معاشرہ خفقان و اختناق کا شکار ہوتا گیا۔

اور پھر "دین و سیاست میں جدائی ہے" کے مسئلہ کو ـــــ کچھ اس انداز سے پیش گیا کہ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ دین کو سیاست سے کیا واسطہ ـــــ؟

اور عالمِ دین، سیاسی مسائل سے جتنا دور رہے، اس کی روحانیت اور اس کی معنویت اتنی ہی زیادہ ہو گی اور وہ اپنے دینی فرائض کو بہترین طریقہ پر انجام دے سکے گا۔

اور پھر رفتہ رفتہ ہمارے نام نہاد علماء نے بھی اس کی تبلیغ شروع کر دی اور سچے و انقلابی اسلام کو، جس میں تمام شعبۂ حیات خواہ وہ عبادی ہوں یا سیاسی، اقتصادی ہوں یا اجتماعی سب ہی موجود تھے، بے مقصد اور شخصی اعمال و مسائلِ اخلاقی تک محدود و مقید کر کے لوگوں میں اس کی تبلیغ شروع کر دی اور اسلام کے اصلی و واقعی شعائر کو دیس نکالا دے کر،

ان کی جگہ ـــــ

مجوسی اور قبل از اسلام والے شعائر رائج کیے جانے لگے۔

مثلاً ہجری تاریخ کی جگہ شاہنشاہی تاریخ کو دے دی گئی۔

استعمار کے ستونوں کو مضبوط کرنے کے لیے فواحش و فساد کو ہر ہر جگہ وسیع پیمانہ پر پھیلایا گیا۔ جس سے نسلِ جوان تباہی کے غار میں گر پڑی ۔ اور

خطرناک ترین نشہ آور چیزوں کی عادی ہو گئی

جگہ جگہ ہیروئن کی فروخت ہونے لگی، جنسی بے راہ روی کو عام کر دیا گیا، جنسیات وجسم فروشی کے اڈے قائم کیے گئے، سینماؤں، شراب کی دکانوں، تھیٹروں اور اسی قسم کی چیزوں کا بازار گرم کر دیا گیا۔

استعمار نے ان چیزوں کو رواج دے کر ــــــــــ

ایک طرف تو مسلمانوں کو ایمان و آگاہی سے دور کر دیا ؛

اور ــــــــــ

دوسری طرف اپنی جڑوں کو مضبوط کرتے ہوئے ایران کی بین الاقوامی وخارجہ پالیسی کو منطقہ کی حفاظت اور امریکہ و اسرائیل کے منافع کی نگرانی تک محدود کر دیا اور اسلامی ممالک سے ایران کا رشتہ منقطع کر کے مخالف اسلام ــــــ جیسے اسرائیل، حکومتوں سے مستحکم کر دیا۔

یہ اور اس قسم کے سینکڑوں دیگر مسائل شہنشاہیت کی دین تھے خصوصاً رضا خان اور اس کے لڑکے محمد رضا کے چند سالہ دور استبداد نے ایسے حالات پیدا کر دیے جس سے انقلاب کا راستہ ہموار ہو گیا۔

اب صرف ایک ایسے رہبر کا انتظار تھا جو عوام کی خواہشات کو پورا کر سکے اور ایک ایسے مقصد کی جستجو میں ہو جس سے تمام مصیبتوں کا علاج ہو سکے ــــــــــ !

کہ ناگاہ، ایران و اسلام کی تاریخ میں ایک طاقت ور مرد روشن ستارہ کی طرح شہر قم کے ایک گوشہ سے چمکا۔

"وَجَآءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ

يَسْعٰى ؗ قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۔"

(سورۂ یٰس ۳۶ - آیت ۲۰)

اں ایک آسمانی انسان، مرد الٰہی، مکتبِ وحی و قرآن کا تربیت یافتہ انسان، احوالِ زمانہ سے آگاہ مفکر، قدرت آفرین و حرکت بخش بہادر، عظیم مرجع دینی، امامِ امت جس کے جسم میں روحِ خدا پھونکی گئی تھی (جس کا نام روح اللہ تھا) اٹھا، اور عیسیٰ مسیح کی طرح اس نے معاشرہ میں ایک روح پھونکی اور انقلاب برپا کر دیا۔

یوں تو ایران کی تاریخ میں، اس سے پہلے بھی استبداد و استعمار کے خلاف انقلابات آچکے تھے ـــــــــــــ

جیسے انقلاب مشروط، حرکتِ تمباکو،

یا تیل کی صنعت کو قومیانے والا انقلاب۔

اگرچہ یہ انقلابات بھی یا تو روحانیت کی قیادت میں آئے تھے یا ان میں روحانیت کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ لیکن چونکہ یہ سارے انقلابات مذہبی نہیں تھے اور یا پھر ان کا اصلی مقصد اسلامی حکومت کا قیام نہ تھا۔ اس لیے وہ ناکام ہو گئے۔

لیکن اس انقلاب کا مقصد، رہبر امت نے بنیادی طور سے شہنشاہیت کے بوسیدہ تار و پود کو بکھیر کر اسلامی حکومت کا قیام قرار دیا تھا، اسی لیے ابتدا ہی سے محمد رضا کو تمام بدبختیوں کا سرچشمہ قرار دیا، اور پہلے روز سے ہی اپنے مبارزہ کا ہدف شاہ اور شاہی کو بنایا۔

ایرانی عوام نے بھی بار بار کے تجربات سے آگاہ ہو کر اسی مقصد و ہدف کو اپنے پیش نظر رکھا اور امامِ امت و مجاہد علما کے زیر قیادت مدرسہ فیضیہ کے خونچکاں حادثہ اور پھر ۱۵ خرداد سے انقلاب کے ابتدائی مراحل کا آغاز کر دیا۔

یہ تحریک، مرحلہ بہ مرحلہ ترقی پاتی رہی، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ شاہی حکومت کے ستون اندر سے بوسیدہ سے بوسیدہ تر ہوتے رہے۔

اور جب ۱۳۵۶ھ ش میں ساواک کے حکم سے اخباروں نے ایک مقالہ شائع کیا جس میں مقامِ امام و مرجعیت کی توہین کی گئی تھی تو اس کے بعد یہ عالم ہوگیا تھا کہ جیسے کوئی بم پھٹ گیا ہو ——

اور انقلاب اپنے آخری منزل میں پہنچ گیا۔

اور جب ۱۳۵۷ھ ش کے اواخر میں محمد رضا ایران چھوڑ کر بھاگا اور امام ملت ایران تشریف لائے تو شاہی نظام درہم برہم ہوگیا اور ویرانیوں کا خاتمہ ہوگیا۔

لیکن اس سے سخت مرحلہ ——

ویرانہائے شہنشاہی پر اسلامی حکومت کی آبادکاری تھا۔

اس مرحلہ میں ہم استعمار کی منحوس سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا شکار رہے۔

اور اس چند ماہ کے اندر روزانہ کسی نہ کسی غم انگیز اور خونی سازش سے دوچار ہوتے رہے۔ یہ مرحلہ پہلے مراحل سے زیادہ دشوار اور مشکلات سے بھرپور تھا۔

لیکن، رہبری امام اور ملتِ ایران کی ہوشیاری و استقامت کے طفیل اسلامی انقلاب، ان سخت و پرپیچ راستوں سے گزرتا ہوا اپنے ہدفِ اصلی کی طرف بڑھتا رہا۔

وہ اہم ترین و بنیادی مسائل، جن پر آئندہ نظام کا تمام تر دار و مدار ہے اور اسلامی انقلاب نے تمام مشکلات و موانع کے باوجود بڑی آسانی سے اب تک جس کو سنبھالے رکھا ——

وہ "قانون اساسی کی تدوین" کا مسئلہ تھا۔

جس کو ملت کی اکثریت نے قبول کرلیا اور ملک کے مستقبل کے

راستہ کا فیصلہ کر دیا، اور تمام اصولوں میں وہ بنیادی قانون کہ جس نے مخالفین انقلاب اور امپیریلزم کو بہت صدمہ پہنچایا ہے اور ان لوگوں نے اس کے خلاف زبردست ہنگامہ آرائی کی ہے ———

وہ "ولایت فقیہ" کا مسئلہ ہے۔

جو مسلّم و مدوّن ہو جانے کے بعد بھی مخالفین کی نظروں میں کھٹکتا ہے اور وہ لوگ آج بھی اس کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔

کیوں ———؟

اس لیے کہ اس انقلاب کا بانی فقیہ ہے اور اسی نے استبداد و استعمار کو شکست دے کر شہنشاہیت کی بنیادوں کو زمین دوز کر دیا۔ اور یہی فقیہ ہے کہ جس نے حکومتِ اسلامی کی بنیاد رکھی اور نفوذ اجانب کے مقابلہ میں اس کو سدِ سکندری بنا دیا۔

اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض ان اعتراضات کے جوابات دے دیے جائیں جن سے عوام کے ذہنوں کا گمراہ ہونا ممکن ہے۔ لہٰذا ایک مختصر سا رسالہ تحریر کر کے عوام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

والسلام علیٰ عباد اللہ الصالحین

تاریخ ۱۰/۱۷/ ۱۳۵۸

۱۸ صفر ۱۴۰۰ ھ

سید حسن طاہری

مقدمہ
طبع : دوّم

شیعوں کی تاریخ میں اسلام کا جو سب سے اہم ترین مسئلہ فقہا و علمار کے پیش نظر رہا ہے اور جس میں مختلف طریقوں سے بحث و تحقیق کی گئی ہے وہ فقیہ عادل کی حکومت کا مسئلہ ہے۔

کیونکہ شیعی نقطہ نظر سے اسلام کے اصول اعتقادی اور مسائلِ بنیادی میں امامت اور حکومتِ امام ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور ولایتِ فقیہ بھی اسی نظامِ امامت کے دوام کی بات ہے۔ اور فقیہ عادل، امام عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے نمائندہ کی حیثیت سے امت کی رہبری اور قیادت انجام دیتا ہے۔

لہٰذا مسئلہ کی اہمیت قابل بحث و مباحثہ نہیں ہے اور فقیہ عادل کے لیے (دیگر حدود و خصوصیات سے قطع نظر کرتے ہوئے) حکومت کا حق بڑے بڑے فقہائے شیعہ کے نزدیک بدیہیات میں سے ہے۔ لیکن شیعہ تاریخ میں امام عصرؑ کی غیبت کے بعد ولایت فقیہ کا مسئلہ وسیع پیمانے پر اور ایک فقیہ عادل کی حکومت

کی صورت میں قابل عمل نہ ہو سکا اور فقہی کتابوں میں علمی مباحث کے اندر یا مخصوص مواقع پر جیسے مسئلہ قضاوت (وہ بھی لوگوں کے صرف انفرادی حد تک فقہا سے رجوع کرنے تک، ایک قانونی وحکومتی حیثیت سے نہیں) یا دیگر جزئی مواقع کے علاوہ کہیں محل بحث نہیں رہا۔ اور نہ کبھی اس مسئلہ کو اس طرح سے پیش کیا گیا جس سے عوام مستفید ہوتے یا اس کی اہمیت کو سمجھتے۔

یہاں تک کہ رہبر عالیقدر بزرگ مرجع تقلید شیعہ امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی عظیم قربانیوں کی بدولت، ولایت فقیہ کی بنیاد پر ایران میں، شکوہ مند و عظیم انقلاب اسلامی رونما ہوا۔

امام خمینی نے ملک بدری کے بعد نجف اشرف میں اس سلسلہ میں باقاعدہ علمی و اجتماعی بحث فرمائی۔ اور ان تقریرات کو " ولایتِ فقیہ کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا[1] اور وہ کتاب عوام کے ہاتھوں میں پہنچی۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد تحریک انقلاب میں تازہ روح دوڑ گئی اور شہنشاہ نے بھی خطرہ کی بو سونگھ لی۔ چنانچہ حکومتی پیمانہ پر اس کتاب کو ختم کرنے کی کوشش ہونے لگی۔ اور متعدد افراد کو سالوں صرف اس جرم میں قید و بند کی صعوبت برداشت کرنی پڑی کہ ان کے پاس یہ کتاب تھی۔

یہاں تک کہ انقلاب اسلامی تائید الٰہی اور ایک تازہ روح کے ساتھ کہ

---

[1] اور حقیر نے اس کا اردو میں ترجمہ حکومت اسلامی کے نام سے کیا اور طلاب ایرانی نے اس کو کئی مرتبہ چھپوایا۔ لیکن چونکہ پہلی مرتبہ یہ کتاب شاہ کے زمانہ میں شائع ہوئی تھی اس لیے میری حفاظت کی خاطر طلاب نے مترجم کا نام نہیں دیا تھا۔ لیکن اس کے بعد بھی مترجم کے نام کے بغیر شائع ہوتی رہی۔ اس کتاب پہ نظرثانی نہیں ہوئی اور پروف ریڈنگ بھی نجانے کس نے کی تھی لہٰذا کافی غلطیاں ہیں (مترجم)

جو روح خدا نے اس میں ڈالی تھی ۱۳۵۷ھ ش میں کامیاب ہوا، اور نظام شاہی سرنگوں ہوا
اور سب پر یہ بات روشن ہو گئی کہ ملت مسلمہ کے اطاعت فقیہ کا ایمان واعتقاد ہی
ہے جس نے حرکت انقلاب کو وسعت عطا کی اور اس کے اثرات ملک کے گوشہ گوشہ اور
ایران کے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں بھی پہنچے اور نہایت سرعت کے ساتھ نتیجہ حاصل ہوا۔
انقلاب کی کامیابی کے بعد جب تک قانون اساسی کی تدوین کا مسئلہ
سامنے نہیں آیا، ولایت فقیہ کے بارے میں کبھی کوئی خاص اعتراض نہیں کیا گیا۔
لیکن جیسے ہی قانون اساسی کی تدوین کا مسئلہ ——————
عوام کے سامنے پیش ہوا اور یہ کہا گیا کہ حکومت اسلامی کی بنیاد
اسلامی قانون پر رکھی جانی چاہیئے جو دنیا کے تمام نظاموں سے بہتر ہے اور اس میں
ولایت فقیہ کو بھی قانونی دستور میں ہونا چاہیئے۔
بس اسی وقت سے ملک کے گوشہ وکنار میں ——————
اعتراضات کی بھرمار ہو گئی۔
مجلس خبرگان میں موصول ہونے والے اعتراضات کا انبار لگ گیا ——
جلوسوں کی صورت میں، نعروں کے ساتھ لوگوں نے اپنی خواہشات کا اظہار شروع
کر دیا —————— اور دوسری طرف مخالفین انقلاب اور چھوٹے چھوٹے گروہوں
کی صورت میں انقلابی نما حضرات کے ذریعہ فریب خوردہ لوگوں نے ہنگامہ مچا دیا۔
سب سے زیادہ شرق وغرب کے امپیریلزم زدہ ایجنٹ حضرات نے
ہلڑ مچانا شروع کر دیا۔ کیونکہ یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ ولایت فقیہ کا مسئلہ
اگر قانونی ہو گیا تو ہمارا عمل دخل ختم ہو جائے گا۔
اس لیے یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور قانون شکنی پر اُتر آئے
اور مجلس خبرگان میں اندرونی و بیرونی، انتھک کوششیں شروع کر دیں۔ تاکہ

کسی طرح ولایتِ فقیہ کا مسئلہ قانونی نہ ہونے پائے۔

ظاہری بات ہے استعمار اچھی طرح جانتا تھا کہ ہمارے مفاد کو اب تک جتنا بھی نقصان پہنچا ہے وہ انھیں علمار سے پہنچا ہے اگر ولایت فقیہ کا مسئلہ قانونی ہوگیا تو ہمیشہ کے لیے ان کی قبریں کھد گئیں اور پھر یہ دوبارہ اس حکومت پر کبھی بھی قابض نہ ہوسکیں گے۔

بلکہ یہی نہیں، دیگر اسلامی ممالک میں بھی ان کے مفادات خطرے میں پڑجائیں گے۔ اس لیے ولایت فقیہ کو دستور اساسی میں جگہ نہ دیے جانے کے لیے ان لوگوں نے سر دھڑ کی بازی لگادی۔

اس طوفان میں کچھ وہ سادہ لوح حضرات بھی شامل ہو گئے جن کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کی مخالفت سے دشمنوں کو فائدہ پہنچے گا۔ کچھ ایسے بھی تھے جو اکثریت کے موافق تھے اور شاید انھوں نے موافقت میں رائے بھی دی ہو۔ لیکن فقیہ کے اختیارات میں بحث و مباحثہ نقد و تبصرہ کرتے تھے۔

بہر حال ان تمام ہنگاموں کے باوجود اور ان تمام لوگوں کی مرضی کے خلاف جو حکومت اسلامی کے حمائتیوں کی رائے کو ولایت فقیہ کے سلسلہ میں بدلنا چاہتے تھے ولایت فقیہ کا مسئلہ دفعہ ۵ کے ضمن میں اکثریت سے پاس ہوگیا۔

۵۳ ووٹ حمایت میں اور ۸ مخالفت میں پڑے تھے اور ۴ نے کوئی رائے نہیں دی تھی۔ اور حدودِ اختیارات اور ذمہ داریاں اور اس کے شرائط بھی دفعہ ۱۰۷ سے لے کر ۱۱۲ کے ضمن میں بہ ترتیب ذیل اکثریت سے پاس ہو گئے۔

دفعہ	نمبر	موافق ووٹ	مخالف ووٹ	ووٹ نہ دینے والے
دفعہ	۱۰۷	۵۹	۳	۶
دفعہ	۱۰۸	۶۱	۳	۲

دفعہ	نمبر	موافق ووٹ	مخالف ووٹ	ووٹ نہ دینے والے
دفعہ	۱۰۹	۵۷	-	۳
دفعہ	۱۱۰ شق ۱	۵۷	-	۴
دفعہ	۱۱۰ شق ۲	۶۱	-	-
دفعہ	۱۱۰ شق ۳	۵۳	۳	۵
دفعہ	۱۱۰ شق ۴	۵۰	۷	۴
دفعہ	۱۱۰ شق ۵	۴۸	۷	۶
دفعہ	۱۱۰ شق ۶	۵۲	۳	۶

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ "نمائندگانِ مجلس خبرگان" بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ اکثریت نے جمہوری اسلامی کی رائے دی ہے اور قطعاً لوگوں کا مقصد صرف اسم و رسم جمہوری اسلامی نہیں ہے،

بلکہ وہ لوگ واقعی جمہوری اسلامی کے خواہش مند ہیں۔

اور خود مجلس خبرگان کے ارکان اچھی طرح جانتے تھے کہ حکومت اسلامی کی اساس ہی ولایتِ فقیہ عادل ہے۔ اور اگر اس نظام سے ولایت فقیہ عادل کو الگ کر لیا جائے تو پھر وہ نظام حکومت اسلامی نہ ہوگا، کچھ اور ہوگا۔

اس لیے سب ہی مجبور تھے کہ ولایت فقیہ کو دستور اساسی میں ہونا ہی چاہیے تاکہ قانون بھی ملت کے منتخب نظام سے ہم آہنگ ہو جائے۔

اور اگر نمائندگان مجلس خبرگان جھوٹی اور بے بنیاد تبلیغات سے متاثر ہو کر اس مسئلہ کو دستور اساسی کا جز نہ بناتے تو مجلس خبرگان کا ماحصل کچھ ہوتا اور اکثریت کی رائے کچھ اور ہوتی، نیز یہ چیز ان کی حدود نمائندگی سے خارج تھی

کیونکہ یہ لوگ اس اکثریت کے وکیل تھے جو قانونِ اساسی کو اسلامی اصولوں کے مطابق چاہتی تھی۔ اور یہ حضرات اسلامی قوانین کی تدوین کے وکیل تھے نہ کہ مغرب و مشرق کی خواہشات کے پابند۔

ویسے بنیادی طور پر یہ کام ان شہداء کا مرہونِ منت ہے جو "اللہ اکبر" اور "نہ شرقی نہ غربی، جمہوری اسلامی" کا نعرہ لگا کر درجہ شہادت پر فائز ہوئے ہیں۔ اس لیے پارلیمنٹ نے اپنے اسلامی عقیدہ اور اکثریت کی وکالت و نمائندگی کی وجہ سے حتمی اکثریت کے ساتھ قطعی فیصلہ کیا ہے ——————

اور ولایت فقیہ کو قانون اساسی کا جزء بنایا ہے۔

لیکن اس کے باوجود مخالفین کی طرف سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں سے اہم اعتراض یہ ہے:

"ملت کی حاکمیت اور تعدد مراکز قدرت میں تضاد ہے۔"

اس لیے اس کا جواب دینے کے لیے یہ مختصر سی کتاب تحریر کر دی ہے اور ایک سال کے اندر کتاب کے تمام نسخے ختم ہو گئے۔ پھر یہ بھی خیال آیا کہ چند ایسے مطالب جو اس اسلامی اصول کی بنیاد ہیں ان کا بھی اضافہ کر دیا جائے۔

اس لیے اس پہلی کتاب میں کچھ اضافہ کے ساتھ یہ کتاب شائع کی جا رہی ہے تاکہ خدمت اسلام کے ساتھ ساتھ یوم معاد کے لیے بھی ذخیرہ ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

تاریخ ۴/۱/۱۳۶۰ ھ ش

سید حسن طاہری

ولایت

لفظ ولایت

قرآن وحدیث میں، بکثرت استعمال کیا جانے والا ایک لفظ ولایت اور اس کے مشتقات جیسے ولی، اولیاء، والی، موالی، تولی وغیرہ وغیرہ ہیں۔

ولایت کے معنی سرپرستی، کسی کام کی ماموریت و کسی شے یا اشیاء یا شخص یا اشخاص کے بارے میں انجام دیے جانے والے کام کے ہیں۔ اس کے دوسرے معانی جیسے دوستی و نصرت کے بھی مستعمل ہیں جو ماموریت کے مفہوم سے بے جوڑ بھی نہیں ہیں۔

(۱) —— شے پر ولایت: جیسے متولی وقف کی ولایت کسی مخصوص وقف شے پر۔

(۲) —— اشیاء پر ولایت: جیسے متولی وقف کی ولایت اموال موقوفہ پر۔

(۳) ——— شخص پر ولایت : جیسے باپ یا دادا کی ولایت بچہ یا دیوانہ پر۔
(۴) ——— معاشرہ پر ولایت : جیسے ولی مسلین کی ولایت معاشرہ کے افراد پر۔

ان تمام مقامات پر ولی، اموال ونفوس پر ایک قسم کی ماموریت و سرپرستی رکھتا ہے اور اس شے یا اشیاء یا شخص یا اشخاص کی زمام اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

اسی لیے شہر کو ولایت اور شہروں کو ولایات کہا جاتا ہے کیونکہ شہر والی یا حکمراں کی جائے رہائش ہوتا ہے۔

اسی بنا پر مفہوم ولایت (معاشرہ کے حوالے سے) حکومت و زمامداری ہے اور حاکم کو ولی مسلین یا ولی امر کہتے ہیں۔

یعنی وہ شخص جس کے ہاتھوں میں امور مسلین کی باگ ڈور ہو، اور شاید اسلامی لغت میں ولایت، امامت، ولی، امام کا لفظ حکومت کے معاملہ میں دوسرے لفظوں سے زیادہ اس وجہ سے بولا جاتا ہے کہ ———

اسلام میں حکومت ایک قسم کی سرپرستی و ذمہ داری کا نام ہے،
ولی کو امت کا رہبر اور نمونہ بننا ہوتا ہے۔

ولی و امام کا لوگوں سے رابطہ، باپ بیٹوں کا سا رابطہ ہوتا ہے۔ جس طرح ایک باپ اپنے بچوں کی سعادت و کمال کا خواہشمند ہونے کی وجہ سے مکمل طریقہ سے بچوں کی بہبود کے لیے بھرپور کوشش کرتا ہے اور بچوں کی سعادت و نیک بختی کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد اس کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ والی مسلمین بھی اسلامی معاشرہ کی اسی قسم کی سرپرستی کرتا ہے اور معاشرہ کی سعادت کے علاوہ کوئی چیز اس کے پیش نظر نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک رہبر و رہنما، انسانوں کے لیے نمونہ ہوتا ہے اور

انسانوں کو بلند مقاصد تک پہنچانے کے علاوہ اس کا کوئی ھدف نہیں ہوتا۔ اسلامی حاکم بھی امت کے لیے امام ور ہبر صرف اس لیے ہوتا ہے کہ امت کو انسانی کمال تک پہنچائے۔

لہٰذا، ان دونوں لفظوں —— امام و رہبر —— کا انتخاب اس مناسبت کی وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ دونوں، اسلام میں حکومت کی کیفیت، صورت اور مقصد کا پتہ دیتے ہیں۔

ولایت کی قسمیں

یوں تو اسلام میں کئی قسم کی ولایت ملتی ہے مگر چند ولایتیں اہم ہیں جن کو ہم تحریر کرتے ہیں:

(۱) —— ولایت خدا

(۲) —— ولایت رسولِ خدا[ص]

(۳) —— ولایت امام[ع]

(۴) —— ولایت فقیہ

ولایتِ فقیہ، ولایتِ امام سے اور ولایتِ امام[ع] ولایت رسول[ص] سے ماخذ ہے۔ اور تینوں ولایتیں، ولایت خدا سے ماخذ ہیں۔

اسلام میں بنیادی طور سے ولایت درحقیقت صرف اللہ کی ہے۔

یعنی اسلامی نظام میں حکومت صرف خدا کی ہے۔ اور دوسری ولایتیں اور حکومتیں صرف خدا کی ولایت سے اخذ شدہ اور اسی کی ولایت کا جلوہ ہیں۔

یہی بات امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی فرمائی ہے:

"وَلَايَتُنَا وِلَايَةُ اللهِ الَّتِي لَمْ يُبْعَثْ نَبِيًّا قَطُّ اِلَّا بِهَا"[1]

"ہماری ولایت خدا کی ولایت ہے اور ایسی ولایت ہے کہ کوئی پیغمبر اس ولایت کے بغیر مبعوث نہیں ہوا۔"

آئندہ بحثوں میں اس مطلب کی مزید وضاحت کی جائے گی۔

جہاں بینی کی بنیاد پر ولایت

دنیا میں رائج نظاموں اور حکومتوں کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ——— مکتبی

(۲) ——— غیر مکتبی

مکتبی حکومتیں، یعنی جو کسی بھی مکتبِ فکر کی قائل ہوں۔

یہ حکومتیں اپنے مکتب کے نظریۂ کائنات سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی مکتبِ فکر، خواہ فلسفی ہو یا دینی، وہ ایک مخصوص قسم کی جہاں بینی کا قائل ہے۔ ہر مکتبِ فکر کی بنیاد اسی بات پر ہے جس کا وہ مکتب، ہستی اور کائنات کے بارے میں قائل ہے۔

مختلف مکاتبِ فکر معاشرے کے سامنے جو قوانین، فرائض اور احکام پیش کرتے ہیں اور جو نظام ان قوانین کے نفاذ کا ذمہ دار ہے یہ سب اس مخصوص جہاں بینی و انسان شناسی کا نتیجہ ہے جو ہر مکتب، جہانِ واقعیت کے سلسلہ میں رکھتا ہے۔

---

[1] اصول کافی - جلد ۱ - ص ۴۶۲ - روایت ۳

لیکن اس کے برخلاف جو غیر مکتبی حکومتیں ہیں ان کو جہاں بینی اور شناخت ہستی کے مسائل سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مارکسی نظریہ جو دنیا کی ڈیالکٹک میٹریلزم کی بنیاد پر توجیہ و تفسیر کرتا ہے اور سارے تاریخی حوادث کی اسی اصول پر توجیہ کرتا ہے اور تمام اجتماعی انقلابات و حوادث کو اسباب تولید کے تغیر کا نتیجہ قرار دیتا ہے وہ لامحالہ فلسفۂ اجتماعی و نوع جہاں بینی کی بنیاد اسی نظام پر رکھتا ہے۔

اسلام کے مکتبی نظام کی شناخت کے لیے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام انسان اور کائنات کے بارے میں کیا نظریہ رکھتا ہے تاکہ نوعِ حکومت کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر معین و مشخص ہو سکے۔ اور ان شکوک و شبہات کے حل کی صورت نکل آئے جو نظام و نوع جہاں بینی سے عدم واقفیت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

اسلامی جہاں بینی

اس بحث کے پیش کرنے کا مقصد اسلامی جہاں بینی کی بحث میں پڑنا نہیں ہے بلکہ اسلام میں جو جہاں بینی ہے اس کے مجموعی مسائل کی طرف مختصر اشارہ کرنا مقصود ہے۔ تاکہ ——————

حکومتِ اسلامی کی فکری و اعتقادی بنیاد واضح ہو جائے۔

اسلام کی جہاں بینی میں جو چند واضح اور مشخص خطوط نظر آتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) —— واقعیت اور ہستی، مادہ و طبیعت (NATURE) کے مساوی نہیں ہے بلکہ مادہ۔ واقعیت مطلق و غیر مادی کا پرتو ہے۔

(۲) —— دنیائے مادی، ایک ایسی چیز ہے جس کا سرچشمہ ہستی اور

واقعیتِ مطلق ہے، اس دنیائے مادی کے لیے ایک مدبر ہے جو عالم، حکیم، قادر ہے اور فطرت و طبیعت کے تمام روابط و عوامل پر حاکم ہے۔ تمام کائنات، فطری عوامل، مادہ کے حرکات اور اس کا فعل و انفعال، یہ سب خدا کا فعل ہے اور اس کے ارادہ کا مظہر و تجلی گاہ ہے۔

(۳) ——— الٰہی جہاں بینی میں پوری کائنات، خدائی سرپرستی و ولایت کے ماتحت ہے اور تمام مادی موجودات، خدا کی تدبیر و ولایت کے سہارے، نقص سے کمال کی طرف حرکت میں ہیں اور سب کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے اَلَآ اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ اور اس قسم کی ولایت کو ولایت تکوینی کہتے ہیں (یعنی خلقت و تکوین میں خدا کی ولایت)۔ دنیائے طبیعت و مادہ میں خدا کی ربوبیت کا یہی مطلب ہے۔ ہم جو خدا کو رب العالمین، رب الفلق اور رب النور وغیرہ کہتے ہیں اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ ان چیزوں کی تربیت کرنے والا ہے۔

(۴) ——— اسلامی جہاں بینی میں انسان صرف بُعد مادی کا حامل نہیں ہے بلکہ وہ بُعد معنوی بھی رکھتا ہے اور یہ انسان کمالِ مطلق (خدا) کی طرف رواں دواں ہے اور لقاءِ الٰہی اس کا کمالِ آخر ہے یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ[1] اے انسان تو اپنے رنج و تعب کے ساتھ اپنے خدا کی طرف کوشش کرتا ہے پس تو اس سے ملاقات کرے گا۔

---

[1] سورہ انشقاق ۸۴ آیت ۶

⑤ —— اسلام کی نظر میں انسان ابدی وجاودانی ہے ۔مرگ وفنا کے بعد وہ ختم نہیں ہوجائے گا بلکہ مرنے کے بعد دوسرے عالم میں جہاں وہ اپنی زندگی واعمال کے نتائج پائے گا۔

⑥ —— اسلام کی نظر میں' انسان ایک ایسا موجود ہے جو آزاد و خود مختار ہے اور اپنے قصد وارادہ سے تکمیل کے سفر کو انتہا تک پہنچانے والا ہے اور چونکہ آزاد ہے اس لیے کبھی اللہ کی طرف سفر کو انتخاب کرتا ہے اور کبھی شیطان کی طرف سفر کرتا ہے۔

⑦ —— اس دنیا کے اندر انسان کی زندگی ایک مرحلہ ہے جہاں پر وہ تحصیل کمال کرتا ہے اور اپنے عمل سے ابدی زندگی و حیاتِ جاودانی کی حفاظت کرتا ہے۔

جس طرح ماں کے پیٹ میں بچہ اپنے وسائل زندگی فراہم کرتا ہے، آنکھ' کان، ہاتھ، پیر، دل سارے بدنی وسائل اس کے لیے مہیا ہوجاتے ہیں کہ شکم مادر سے باہر آکر ان کو اپنے لیے استعمال کرے، حالانکہ جب تک بچہ شکم مادر میں ہے، ان وسائل سے وہ کوئی استفادہ نہیں کرپاتا۔

اسی طرح انسان اس دنیا میں اپنی آئندہ زندگی کے لیے وسائل مہیا کرتا ہے ، اعمال خیر کرتا ہے ۔حالانکہ ان وسائل سے یہاں کوئی استفادہ نہیں کرپائے گا ——

لیکن مرنے کے بعد؛

یہی چیزیں اس کے لیے کارآمد ہوں گی۔

بس اتنا فرق ضرور ہے کہ بچہ شکم مادر میں جن وسائل کو مہیا کرتا ہے وہ

اس کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ جو کچھ ہوتا ہے وہ ایک طبیعی اور جبری نظام کے تحت واقع ہوتا ہے لیکن آخرت کے لیے وسائل مہیا کرنے میں ——

انسان اس دنیا میں خود مختار ہے،

جیسے وسائل چاہے اختیار کر سکتا ہے۔

اسلامی نظام اور جہاں بینی کا باہمی تعلق

اسلامی جہاں بینی کی اساس پر معاشرہ کو خدا کی ولایت کے ماتحت ہونا چاہیے۔ خدا کے علاوہ کسی کی بھی ولایت و سرپرستی ناقابل قبول و مردود ہے۔

جس طرح تمام موجودات، خدا کی زیر سرپرستی رواں دواں ہیں اسی طرح انسان بھی ہے —— !

انسان اس قانون کلی اور سنت الہی سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

اسے بھی خدا کی زیر سرپرستی اپنی حرکت جاری رکھنی چاہیے تاکہ اس کی حرکت کائنات کے نظام کلی سے ہم آہنگ رہے۔

انسان کائنات کا ایک جزو ہے۔ اگر ہم اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ کائنات کا وجود، ولایت و تدبیر پروردگار عالم پر قائم ہے تو پھر ناچار، انسان کو بھی اس کائنات کے نظام کلی کی پیروی کرنی ہوگی اور یہ ماننا ہوگا کہ ——

ولایت صرف خدا کی ہے۔

بس اتنا فرق بہر حال رہے گا کہ دیگر موجودات بطور طبیعی و تکوینی اور بغیر کسی اپنے ارادہ و اختیار کے ولایت و تدبیر خداوند عالم کے ماتحت ہیں۔ لیکن انسان اپنی آزادی و اختیار سے اس ولایت و سرپرستی کو انتخاب کرتا ہے۔

اس قسم کی ولایت جس میں صرف قانون کی حکومت ہوتی ہے اس کو

"ولایتِ تشریعی" کہا جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن میں اس کے لیے "اخذ" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ قبولیت و انتخاب کی محتاج ہے؛

اور ــــــــ

یہ معاشرہ کی ذمّہ داری ہے کہ ،

اپنے کو طاغوتی حکومتوں سے آزاد کر کے ولایتِ خدا کو قبول کرے تاکہ نور و رشد و کمالِ مطلوب کو حاصل کر سکے۔

قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا کے علاوہ ہر ولایت مردود ہے۔ چنانچہ بطور مثال چند آیتیں ملاحظہ فرمائیے:

(۱) قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔" [۱]

"(اے رسولؐ آپ) کہہ دیجیے کیا اس خدا کے علاوہ جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے میں کسی اور کو ولی بنا لوں۔"

اس آیت میں معاشرہ پر خدا کی ولایتِ تشریعی کو اس کی ولایت تکوینی پر مبنی قرار دیا گیا ہے اور اس سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ صرف وہی خدا کہ جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے، لائق حکومت ہے اور انسان کی سرپرستی کا استحقاق رکھتا ہے۔

(۲) اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ؛

---

[۱] سورۂ انعام ۶ آیت ۱۴

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔" [۱]

"کیا ان لوگوں نے اپنے لیے خدا کے علاوہ دوسروں کو سرپرست بنایا ہے؛ حالانکہ صرف خدا ولی وسرپرست ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس آیت نے بھی انسان پر صرف خدا کی ولایت ثابت کی ہے اور مُردوں کے زندہ کرنے اور تمام چیزوں پر اپنی قدرت کاملہ کا اعلان فرمایا ہے۔

(۳) "مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ۔" [۲]

"جن لوگوں نے خدا کے علاوہ دوسروں کو اولیاء وسرپرست قرار دیا ہے ان کی مثال مکڑی کے جالے کی سی ہے اور سب سے زیادہ کمزور مکڑی کا جالا ہی ہوا کرتا ہے۔"

لہٰذا وہ معاشرہ جو غیر الٰہی نظام کے تحت چلتا ہے اور وہاں خدا کے علاوہ دوسروں کی حکومت ہے، اس کی بنیاد محکم ومضبوط نہیں ہو سکتی۔ اس کی بنیاد مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہو گی اور وہ خطرات کا مقابلہ

۱۔ سورہ شوریٰ ۴۲ - آیت ۹ ۲۔ سورہ عنکبوت ۲۹ - آیت ۴۱

کبھی نہیں کر سکے گا۔

خدائی ولایت کس طرح قابلِ عمل ہو سکتی ہے؟

معاشرہ میں خدائی ولایت پر عمل کرنے کی دو بنیادی شرطیں ہیں:

پہلی شرط

معاشرہ کے وہ اصول و قوانین جو کسی نظام کو معین کرتے ہیں ان کو خدا کی طرف سے ہونا چاہیے۔ کیونکہ اسلامی توحید کی بنیاد پر تمام موجودات کا رب اور انسانِ کائنات کا پرورش کرنے والا صرف خدا ہی کو ماننا چاہیے۔

چنانچہ قرآن کہتا ہے:

"قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ"۔[1]

"(اے رسول) کہہ دیجیے کیا غیرِ خدا کو میں اپنا رب بنالوں حالانکہ خدا ہر چیز کا رب ہے۔"

دوسری جگہ ہے:

"قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ

---

[1] سورہ انعام ۶ - آیت ۱۶۴

بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ" ۱؎

"(اے رسولؐ) اہلِ کتاب سے کہہ دیجیے کہ آؤ ایسی بات پر ہم تم
جمع ہو جائیں جو دونوں میں مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا
کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور خدا کا کوئی شریک قرار نہ
دیں اور خدا کے علاوہ ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اپنا رب
قرار نہ دے۔"

قرآن مجید میں دیگر بہت سی آیات ہیں جو ربوبیت میں خدا کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور اس کے مقابل ربوبیت میں خدا کا شریک قرار دینا ہے جس کو قرآن منع کرتا ہے۔

دیگر موجودات میں بھی خدا کی تربیت و پرورش، قوانینِ تکوینی کی حاکمیت کے ساتھ متحقق ہوتی ہے۔

مثلاً ایک دانۂ گندم ہی کو لے لیجیے کہ،

علل و عوامل طبیعی کے ساتھ رفتہ رفتہ تربیت پاکر خوشۂ گندم یعنی زندہ "وجودِ نباتی" کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

یہ تکوینی تربیت تمام طبیعی موجودات کے اندر پائی جاتی ہے اور ہر موجود اپنی پیدائش کے بعد اپنی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے اور اپنے مقصود و کمال کی طرف اس کی رہنمائی ہو جاتی ہے۔

جنابِ موسیٰؑ نے جب فرعون کو خدا کی پہچان کرانا چاہی تو خدا کو لفظ "رب" سے یاد فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

۱؎ سورۂ آلِ عمران ۳ - آیت ۶۴

"قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی۔"[1]

"ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو خلق کرکے اس کی ہدایت فرمائی۔"

اس بنا پر موجودات، یہانتک کہ انسان کے سلسلہ میں بھی ربوبیت خدا کا مطلب طبیعی قوانین کے ساتھ ان چیزوں کی پرورش و تربیت کا نام ہے جو تدریج نظم خاص کے ساتھ ان کو کمال تک پہنچاتا ہے۔

لغت میں "رب" کے معنی تربیت کے ہیں۔

لیکن بمعنی اسم فاعل یعنی مربی "تربیت کرنے والے" کے بھی استعمال ہوتا ہے۔

راغب اصفہانی اپنی مفردات میں کہتے ہیں:

"اَلرَّبُّ فِی الْاَصْلِ اَلتَّرْبِیَۃُ وَھُوَ اِنْشَاءُ الشَّیْءِ حَالًا فَحَالًا اِلٰی حَدِّ التَّمَامِ......

.... فَالرَّبُّ مَصْدَرٌ مُسْتَعَارٌ لِلْفَاعِلِ۔"

"رب کے معنی دراصل تربیت کے ہیں یعنی کسی شے کو تدریجی طور سے ایجاد کرنا تاکہ وہ حدِ کمال و حدِ تمام تک پہنچ جائے۔"

البتہ انسان کے معاملہ میں اس پہلو کے اندر جس میں وہ آزاد ہے، یعنی روحانی پہلو، عملی اور معنوی پہلو، وہاں خدا کی طرف سے پرورش اس

---

[1] سورہ طٰہٰ ۲۰ - آیت ۵۰

وقت عمل پذیر ہوتی ہے جب معاشرہ پر الٰہی قوانین کی حکومت ہو اور انسان الٰہی فرمان و دستور پر عمل کرکے راہ کمال کو اختیار کرے اور حدِ کمال تک پہنچ جائے۔

لیکن جس معاشرہ پر طاغوتی و شیطانی قوتوں کی حکومت ہو،

اور ــــــــــــ

پورا معاشرہ انسانی دساتیر و قوانین کا پابند ہو،

یا جو انسان کبھی الٰہی قوانین کی پابندی نہ کرے اور غیرِ خدا کی اطاعت کرے تو وہ معاشرہ یا وہ انسان ربوبیت میں شرک کا مرتکب ہوا ہے اور اس نے خدا کے علاوہ دوسروں کو اپنے لیے رب اور پروردگار قرار دے دیا ہے۔

قرآن یہودیوں اور عیسائیوں کی سرزنش کرتے ہوئے کہتا ہے:

" اِتَّخَذُوٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ "[1]

" ان لوگوں نے علماء اور راہبوں کو اور عیسیٰ ابن مریم کو اپنے لیے "ارباب" بنا لیا۔ حالانکہ ان کو صرف معبود واحد کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ خدا

---

[1] سورۂ توبہ ۹ - آیت ۳۱

ان چیزوں سے پاک و منزہ ہے کہ جن کو شریک
قرار دیتے ہیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں رسولِ خدا اور دیگر ائمہ سے بکثرت
روایات وارد ہوئی ہیں کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور راہبوں کی ہرگز ہرگز
عبادت و پرستش نہیں کی تھی ——————
—————— بلکہ ان کے خودساختہ قوانین کی پیروی کی تھی؛
اور یہی چیز غیرِ خدا کو رب قرار دینا ہے۔

اس سلسلہ میں ان حدیثوں کو دیکھیے:

اصول کافی میں ابوبصیر سے منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"سَئَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ
عَزَّوَجَلَّ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ
وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَقَالَ: اَمَا وَاللّٰهِ مَا دَعَوْهُمْ اِلٰى
عِبَادَةِ اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ دَعَوْهُمْ اِلٰى
عِبَادَةِ اَنْفُسِهِمْ لَمَا اَجَابُوْهُمْ
وَلٰكِنْ اَحَلُّوْا لَهُمْ حَرَامًا وَحَرَّمُوْا
عَلَيْهِمْ حَلَالًا فَعَبَدُوْهُمْ مِنْ

حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ۔" [۱]

"میں نے آیت اتخذوا احبارھم... الخ کے بارے میں حضرت ابی عبداللہؑ سے پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا: ان کے علماء و رہبان نے ان کو اپنی پرستش کی طرف ہرگز نہیں دعوت دی (یعنی انھوں نے یہ نہیں کہا کہ آؤ ہماری عبادت کرو اور پوجو) اور اگر دعوت کرتے بھی تو لوگ اس کو قبول نہ کرتے بلکہ ان لوگوں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا تھا، اور ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) نے ان راہبوں کی اطاعت کر کے لاشعوری طور پر ان کی عبادت کی۔"

تفسیر عیاشی میں جابر سے منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"قَالَ سَئَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللّٰہِ: اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ... الخ قَالَ: اَمَا اِنَّھُمْ لَمْ یَتَّخِذُوْھُمْ آلِھَةً اِلَّا اَنَّھُمْ اَحَلُّوْا حَرَامًا فَاَخَذُوْا بِهٖ وَحَرَّمُوْا حَلَالًا فَاَخَذُوْا بِهٖ فَکَانُوْا اَرْبَابَھُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔" [۲]

---

[۱]، [۲] تفسیر نور الثقلین ج ۲، صفحہ ۲۰۹

"میں نے حضرت ابی عبداللہؑ سے آیت اتخذوا احبارھم
کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: ان لوگوں نے راہبوں کو اپنا
خدا نہیں بنایا تھا بلکہ علماء اور راہبوں نے حلال کو حرام اور حرام
کو حلال کر دیا تھا اور ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) نے ان کے
قوانین و دساتیر کو قبول کر کے ان کی اطاعت کی تھی پس ان
لوگوں نے ان کی اطاعت کر کے خدا کے علاوہ ان کو اپنا ربّ
قرار دے لیا۔"

ان روایات پر توجہ سے معلوم ہوا کہ غیر الٰہی قوانین کی اطاعت
ایک قسم کا شرک ہے، کیونکہ آیت کے اندر "سبحنہ عما یشرکون" کا
جملہ بھی ہے۔ یعنی آیت نے یہود و نصاریٰ کے کام کو شرک کہا ہے اور روایات نے
بھی قانونِ الٰہی کے خلاف وضع شدہ قوانین کی اطاعت کو شرک سے تعبیر کیا ہے۔
خلاصہ یہ ہوا کہ:

ایسے افراد اور ایسے قوانین کی اطاعت ——————
شرک میں شمار ہوتی ہے۔

بہت سی آیات میں ہر اس حکم و قانون کی نفی کی گئی ہے جو خدا کے عطا کردہ
قانون اور دیے گئے حکم کے خلاف ہو۔

چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

"اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" [۱]
"خدا کے علاوہ کسی کا کوئی حکم نہیں ہے۔"

---

[۱] سورۂ انعام ۶۔ آیت ۵۷ و سورۂ یوسف ۱۲۔ آیت ۴۰

"وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ" [۱]

"اور جو خدا کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں۔"

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ" [۲]

"اور جو خدا کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے لوگ ہی بے انصاف ہیں۔"

"وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ" [۳]

"اور جو خدا کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے لوگ ہی نافرمان ہیں۔"

ان آیات میں ان لوگوں کو جو خدائی حکم کے خلاف حکم کرتے ہیں، کافر، فاسق، ظالم کہا گیا ہے کیونکہ خدا کی ربوبیت کا انکار ایک قسم کا شرک ہے اور خدا کی اطاعت سے نکل کر شیطان کی اطاعت میں داخل ہونا ہے۔ یہ کفر بھی ہے اور ظلم و فسق بھی ہے۔

۱، ۲، ۳ سورۂ مائدہ ۵۔ آیات ۴۴، ۴۵، ۴۷

"وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ" [1]

"تم لوگ جس چیز میں بھی اختلاف کرو اس کا حکم خدا کے پاس ہے۔"

"مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا" [2]

"ان لوگوں کے لیے خدا کے سوا کوئی ولی و سرپرست نہیں ہے اور نہ اس کے حکم میں کوئی شریک ہے۔"

اس آیت میں قانون بنانے اور حکومت میں خدا کے شریک کی نفی کی گئی ہے۔ اس لیے غیر الٰہی قانون کو قبول کرنا مقام قانون گزاری و حکم میں خدا کا شریک قرار دینا ہے۔

"إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ" [3]

"ہم نے تم پر سچی کتاب کو نازل کیا تاکہ تم لوگوں میں وہ حکم کرو جس کی خدا نے تم کو نشاندہی کی ہے۔"

---

[1] سورۂ شوریٰ ۴۲ - آیت ۱۰ [2] سورہ کہف ۱۸ - آیت ۲۶

[3] سورۂ نساء ۴ - آیت ۱۰۵

حضرت علیؑ سے ایک حدیث منقول ہے جس میں آپؑ نے فرمایا:

"فَاِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ لِيُخْرِجَ عِبَادَهٗ مِنْ عِبَادَةِ عِبَادِهٖ اِلٰى عِبَادَتِهٖ وَمِنْ عُهُوْدِ عِبَادِهٖ اِلٰى عُهُوْدِهٖ وَمِنْ طَاعَةِ عِبَادِهٖ اِلٰى طَاعَتِهٖ وَمِنْ وَلَايَةِ عِبَادِهٖ اِلٰى وَلَايَتِهٖ" [1]

"بے شک خدا نے رسولِ خداؐ کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ آپؐ خدا کے بندوں کو انسانوں کی عبادت سے نکال کر خدا کی عبادت کی طرف اور بندوں کے عہد و پیمان سے نکال کر خدا کے عہد و پیمان کی طرف اور بندوں کی اطاعت سے نکال کر خدا کی اطاعت کی طرف اور بندوں کی ولایت سے نکال کر خدا کی ولایت کی طرف دعوت دیں۔"

اس حدیث میں حضرت علیؑ نے رسول اکرمؐ کی بعثت کا مقصد یہ بتایا ہے کہ بشر کو غیرِ خدا کی ولایت و اطاعت سے الگ کر کے خدا کی ولایت و اطاعت و عبادت کی طرف بلائیں۔

---

[1] کتاب وافی ج ۳ باب ۱۰ از ابواب خطب و رسائل صفحہ ۲۲

قوانینِ ثابت و متغیّر

دو قانون

معاشرہ میں رائج قوانین کی دو قسموں پر تقسیم کی جاسکتی ہے:

① ——— ثابت قوانین

② ——— متغیر قوانین

ثابت قوانین

جو قوانین، انسان کی واقعیت اور آدمی کی فطرت کو پیش نظر رکھ کر بنائے گئے ہوں اُن کو ثابت اور غیر متغیر کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے قوانین میں انسان طبیعی موضوع ہوا کرتا ہے۔ چاہے وہ شہری ہو، دیہاتی ہو، کالا ہو، گورا ہو، قوی ہو، کمزور ہو، ایسے قوانین میں ہر خطہ اور ہر زمانہ کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور انسان کے دونوں ابعاد۔

مادی ومعنوی۔ ملحوظ ہوتے ہیں۔

اسی بنیاد پر ان تمام قوانین، اعتقادات، اخلاقیات، انفرادی، اجتماعی، عبادتی، سیاسی، حقوقی، جزائی وغیرہ وغیرہ کی بنیاد رکھی گئی ہے جو انبیاء کرام خدا کی طرف سے انسان کے لیے لے کر آئے ہیں۔

قوانین کی اسی قسم کو دین وشریعت کہا جاتا ہے ــــــــ

ــــــــ جس میں کسی بھی قسم کا تغیر وتبدل نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ فطرت و واقعیتِ انسان کی بنیاد پر ان کو بنایا گیا ہے۔

ایسے ہی احکام ودستور کے لیے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے:

"حَلَالُ مُحَمَّدٍ حَلَالٌ اَبَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَحَرَامُهُ حَرَامٌ اَبَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔"[۱]

یعنی قیامت تک محمدؐ کا حلال حلال اور حرام حرام ہے۔"

دین کے فطری ہونے کا مطلب یہی ہے کہ انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہے اور فطرت کی بنیاد پر اسے وضع کیا گیا ہے۔

قرآن میں ہے:

"فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ

---

[۱] اصول کافی ج ۱ کتاب فضل العلم باب البدع حدیث ۱۹

لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ" [1]

اور یہی وجہ ہے کہ مکتب انبیاء جو الٰہی جہاں بینی کی بنیاد پر استوار ہے اس میں ایک عبادتی قوانین کا سلسلہ جیسے نماز، روزہ، حج، جہاد، خمس اور زکوٰۃ بھی موجود ہے جو ان تمام مکاتب اور قوانین کے اندر نہیں ہے جو انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔

کیونکہ مکتب انبیاء انسان کو پہچانتا ہے ——

اور اس قسم کے قوانین انسان کی جہت حرکت کو متعین کرنے اس کے معنوی پہلو کی پرورش، لقائے الٰہی کی سعادت اور قرب حق کے حصول کے لیے ضروری ہیں۔

متغیّر قوانین

اس سے مراد، انسان کے تدریجی مصالح اور اس کی ضرورتوں کے مطابق قوانین کا وضع کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ جب وہ مصالح یا ضرورتیں ختم ہو جائیں گی تو ان قوانین کا ختم کر دینا یا بدل دینا بھی ضروری ہوگا۔

مثلاً ——

جب انسان، گھوڑے، گدھے یا خچر پر سواری کیا کرتا تھا تو آج کے شہری و دریائی و ہوائی اصول و قوانین کا پابند نہیں تھا۔ کیونکہ آج جیسے

---

[1] سورۂ روم ۳۰ - آیت ۳۰

وسائلِ سفر اُس زمانہ میں تھے ہی نہیں! بلکہ اگر ترقی کرتی ہوئی دنیا نے مستقبل میں کچھ دوسرے وسائل ایجاد کر لیے تو آج کے وسائل کی جگہ وہ لے لیں گے، ——— اور خود بخود یہ قوانین بدل جائیں گے۔

آج بین الاقوامی تعلقات کی جو نوعیت ہے اس کی بنا پر داخلی اور خارجی تجارت اور معاہدوں کے لیے قوانین کی ضرورت ہے، حالانکہ ماضی میں ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔

لہٰذا ہر معاشرہ میں تبدیل ہونے والے بعض قوانین پائے جاتے ہیں جو معاشرہ کے بتدریج آگے بڑھنے، تکمیل پانے اور حالات میں تبدیلی پیدا ہونے اور معاشرہ کے زمان و مکان کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

اب قابلِ بحث مسئلہ یہ ہے کہ ———

اسلامی نظام میں کہ جو صرف خدا کا وضع کردہ ہے یہ دو قسم کے قوانین ——— متغیر و غیر متغیر، کس طرح پائے جاسکتے ہیں؟

قانون میں وحی کا کردار

وہ ناقابلِ تبدیل قوانین، جو آسمانی شریعتوں کی تشکیل کی بنیاد ہیں، اور جن کو انبیاء کے ذریعہ بشر کے لیے بھیجا جاتا ہے، ان قوانین کے خمیر میں وحی، جو انسان اور ماورائے طبیعت کے درمیان ایک رابطہ ہے، ایک مؤثر حیثیت کی حامل ہے۔

اور نتیجہ میں اس قسم کے قوانین کو رسولوںؑ کے ذریعہ انسانوں کے لیے بھیجا جاتا ہے اور یہ دین و شریعت کے نام سے باقی رہتے ہیں۔

اور جب انسان، آسمانی تعلیمات سے استفادہ کر کے رشد و کمال

کی اس منزل تک پہنچ گیا کہ انبیاء کی تعلیمات اور قوانینِ الٰہی کی حفاظت کر سکے، اور دوسری طرف اس کی فکری طاقتیں اس درجہ تک پہنچ گئیں کہ کامل ترین اور آخری قوانین و تعلیماتِ آسمانی کو قبول کر کے اس پر عمل کرنے کی صلاحیت باقاعدہ پیدا ہو گئی، تب خداوند عالم نے ——

آخری رسالت کو مکمل قوانین کے ساتھ بھیجا ——

اور سلسلۂ نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔

لیکن وقتی اور بدل جانے والے قوانین جو حسب ضرورت و مصلحت بنائے جاتے ہیں اور پھر ضرورت و مصلحت ہی کی بنا پر بدل دیے جاتے ہیں۔

ان قوانین کو مسلمانوں کے ولی امر ——

یعنی وہ شخص جس کو خدا کے حکم کے مطابق یہ اختیار دیا گیا ہے —— کو بنانا چاہیے، البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ خود ولی امر براہ راست ان قوانین کو وضع کرے بلکہ اس کے لیے ماہرین کی ایک کمیٹی بنا دے جو زمانہ کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر ایسے قوانین بنائے جو شریعت کے مسلّم و کلی اصول کے دائرہ سے خارج نہ ہوں۔

اس اعتبار سے ولی امر دو طریقوں سے تدوین قوانین کی نگرانی کرتا ہے:

ایک تو یہ کہ؛

اصول و مبانی اسلام اور مکتبِ اصلی کے ——

خطوط سے تطبیق کرے۔

دوسرے یہ کہ؛

چونکہ اس قسم کے قوانین کے وضع کا حق براہ راست ولی امر کو حاصل ہے، اس لیے جب تک وہ دیکھ کر اس کی تائید نہ کر دے وہ قوانین رسمی

اور اسلامی نہیں ہوں گے اور اسی کو ہم ولی امر کے اختیارات سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہاں پر ہم فیلسوفِ عصر حضرت آیۃ اللہ مرحوم سید محمد حسین طباطبائی کا کلام نقل کرتے ہیں جو اس مسئلہ سے متعلق ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

"جس طرح ایک مسلمان شخص اسلامی معاشرہ میں دینی قانون سے حاصل شدہ حقوق کی بدولت اپنی زندگی میں ہر قسم کا تصرف (لیکن وہ تقویٰ اور قانون کے دائرہ کے خلاف نہ ہو) کرسکتا ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق حسبِ مصلحت اپنی زندگی بہتر بنا سکتا ہے، بہترین خوراک، بہترین پوشاک، شاندار مکان، عمدہ فرنیچر استعمال کرسکتا ہے یا ان میں سے کسی ایک سے صرفِ نظر بھی کرسکتا ہے۔ اسی طرح اپنے حقوق کا دفاع کر کے اپنی زندگی کی حفاظت بھی کرسکتا ہے یا اگر چاہے تو مصلحت کے پیشِ نظر دفاع نہ کرے اور اپنے بعض حقوق سے چشم پوشی کرے۔ یا دن رات محنت و مشقت کر کے اپنی تجارت کو بڑھا وا دے سکتا ہے، یا کسی دن تجارت کے کاروبار کو چھوڑ کر کسی اور اہم کام کو انجام دے سکتا ہے۔

بالکل اسی طرح مسلمانوں کا وہ ولی امر جو اسلامی نقطۂ نظر سے معین ہوا ہو اپنے حدودِ حکومت کے اندر تمام تصرفات کرسکتا ہے۔ فرد تو صرف اپنی زندگی کی حد تک اختیار رکھتا ہے، لیکن ولی امر معاشرہ کی عمومی زندگی پر حقِ تصرف رکھتا ہے۔ مثلاً تقویٰ اور دینی احکام کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، راستوں کو بدل سکتا ہے، گزرگاہوں میں تبدیلی لا سکتا ہے، مکانوں کو منہدم کرا سکتا ہے، بازاروں کو

منتقل کر سکتا ہے، لوگوں کی تجارت میں دخل اندازی کر سکتا ہے، لوگوں کے درمیان تعلقات کے قوانین بنا سکتا ہے، دفاع کا حکم دے کر لشکر کو جنگ پر آمادہ کر سکتا ہے، اس کے تمام مقدمات کی بجاآوری کا حکم دے سکتا ہے اور جب چاہے مسلمانوں کی صلاح کے لیے دفاع کا حکم واپس لے سکتا ہے، دیگر حکومتوں سے معاہدے کر سکتا ہے، لوگوں کی دینی و ثقافتی پیشرفت میں مداخلت کر کے وسیع پیمانے پر کوئی اقدام کر سکتا ہے، بلکہ اگر وہ چاہے تو ایک خاص شعبہ کی معلومات کو پس پشت ڈال کر دوسری چیزوں کی ترویج کر سکتا ہے۔

مختصراً یوں سمجھ لیجیے کہ معاشرہ کی اجتماعی زندگی کی ترقی اور اسلام و مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لیے تمام تر اختیارات ولی امر کو حاصل ہیں۔ ان کے وضع و اجرا میں اس کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے۔

بے شک اسلام میں اس قسم کے قوانین کا جاری کرنا ضروری ہے اور ولی جو ان قوانین کے وضع و اجراء کا مجاز ہے اور اس کی اطاعت تمام لوگوں پر واجب ولازم ہے، اس کے باوجود وہ اصول و مقررات خدائی نہیں سمجھے جائیں گے۔ کیونکہ وہ تمام اصول و مقررات ضرورت کے ماتحت وضع کیے گئے ہیں اور ضرورتوں کے ختم ہونے پر خود بخود ختم ہو جائیں گے اور ایسی صورت میں سابق ولی امر یا جدید ولی امر ان تمام اصولوں کے برطرف کر دیے جانے کی اطلاع تمام لوگوں کو دے گا اور سابق مقررات پر خطِ نسخ کھینچ دے گا۔

اس کے برخلاف، ثابت وغیر متغیر الٰہی احکام جو متن شریعت ہوتے ہیں وہ ہمیشہ باقی وثابت رہیں گے، ان کو اور کوئی تو درکنار خود ولی امر

بھی مصلحت وقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہ بدل سکتا ہے نہ ختم کرسکتا ہے اور نہ ہی کچھ ایسے احکام جو اس کی نظر میں ختم ہو چکے ہیں ان کو ختم کرسکتا ہے۔" [1]

دو قسموں کے قوانین (ثابت و متغیر) کے وجود سے مسئلہ وحی اور خدائی نمائندہ کی ضرورت تمام زمانوں میں واضح ہوجاتی ہے ——

خدائی نمائندہ یعنی مسلمانوں کا ولی امر ——

جو ہر زمانہ کی ضروریات اور مصلحتوں کے مطابق قانون وضع کرسکے، وہ رسول خدا بھی ہوسکتے ہیں، امام معصوم بھی ہوسکتا ہے اور زمانۂ غیبت امامؑ میں کوئی بھی ایسی شخصیت ہوسکتی ہے ——

جس کو امام زمانہؑ کی عمومی نیابت حاصل ہو۔

بہرحال، ولایت الٰہی کی اولین بنیاد (یعنی مسئلہ تشکیل قانون) کے عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ایسے شخص کا ہر زمانہ میں ہونا ضروری ہے جو خدا کی طرف سے وضع قانون کا حق رکھتا ہو۔

دوسری شرط

مسلمانوں کا ولی امر یا حاکم

ولایت الٰہی کے عملی ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ ولی امر خدا کی طرف سے معین ہو، خواہ کسی شخص کو مقرر کیا جائے جیسے کہ رسولؐ و امام معصومؑ کہ ان کو خدا نے

---

[1] کتاب اسلام و احتیاجات واقعی ہر عصر ص ۵۱، ۵۲، ۵۳

ولی امر قرار دیا ہے ۔ اور خواہ ایسے معیار و صفات کی تعیین ہو کہ
" جس کے اندر بھی یہ شرائط ہوں گی وہ ولایت کی صلاحیت کا حامل ہوگا۔ جیسے کہ ولایتِ فقیہ کے منصب کے لیے کسی خاص شخص کو معین نہیں کیا گیا بلکہ بطور کلی فقیہ عادل کو حق ولایت حاصل ہے "
اس کو نصب عام کہتے ہیں۔

اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ولی امر کی ولایت براہ راست ہو، جیسے رسولؐ و امامؑ کی ولایت یا بطورِ نیابت ہو جیسے غیبتِ امامؑ میں ولایتِ فقیہ کی مانند۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں جو ولایت و اختیارات ولی امر کو حاصل ہیں ——— خواہ بالواسطہ ہوں یا بلا واسطہ،
وہ خدا کی طرف سے دیے گئے ہیں۔

اس شرط کی ضرورت کو بیان کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور کو پیش کیا جا سکتا ہے :

(۱) ——— وہ متغیر قوانین جو مصلحت و ضرورت کے پیش نظر وضع کیے جاتے ہیں ان کے نفاذ کا ضروری ہونا۔ کیونکہ اس قسم کے قوانین پر جب تک اس شخص کی تصدیق نہ ہو جائے جو خدا کی طرف سے ولی امر ہے اور جس کو وضع قوانین کا حق حاصل ہے، اس وقت تک وہ قوانین الٰہی اور اسلامی نہ ہوں گے۔ اس مسئلہ پر ہم پہلے بھی بحث کر چکے ہیں۔

(۲) ——— ذاتی طور سے کسی شخص کو کسی پر ولایت (حکومت) حاصل نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں تمام انسان برابر ہیں۔ کسی شخص کو بھی دوسرے کو حکم دینے کا حق نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل ہے کہ ایک شخص

یا کسی اشخاص کی اطاعت دوسرے انسانوں پر ضروری ہے۔ صرف تنہا خدا کی ذات ہے جس کو تمام انسانوں پر ولایت اور حکم دینے کا حق حاصل ہے اور از روئے عقل تمام انسانوں پر اس کے حکم کی اطاعت واجب و لازم ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو خدا کی طرف سے ولایت حاصل ہو جائے تو صرف اس صورت میں اس کی ولایت برحق اور بجا ہے اور اس کو حکم دینے کا حق حاصل ہے اور لوگوں پر اس کے فرمان کی اطاعت واجب و لازم ہے، کیونکہ خداوند عالم نے اس کے فرمان کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے اور اسی بنا پر ہم لوگ رسولؐ و امامؑ اور رسولؐ و امامؑ کی طرف سے معین کردہ حکام کی اطاعت کو واجب و لازم سمجھتے ہیں۔ کیونکہ خدا نے قرآن کریم میں پندرہ سے زیادہ جگہوں پر رسولؐ کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے اور اگر خدا اپنے رسولؐ کو ولایت نہ دیتا اور اس کی اطاعت کو واجب نہ قرار دیتا تو خود رسولؐ کی اطاعت کی کوئی دلیل نہ ہوتی۔

اسی طرح اگر خدا کی طرف سے بچہ کی ولایت باپ، دادا کو نہ دی گئی ہوتی یا مجنون پر ولایت نہ دی گئی ہوتی تو یہ لوگ بچہ کے اموال یا دیگر شعبوں میں کوئی تصرف نہیں کر سکتے تھے جیسے کہ ماں، بھائی، چچا کو اس قسم کا حق حاصل نہیں ہے۔

اسی طرح اگر امر بمعروف و نہی از منکر کے وجوب کا مسئلہ نہ ہوتا تو کوئی بھی شخص دوسرے پر حق امر و نہی نہ رکھتا۔ اسی لیے ایک آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے قبل بعض مومنین کی بعض دیگر مومنین پر ولایت کو تسلیم کیا گیا ہے، اس کے بعد اسی ولایت کے ضمن میں امر بمعروف و نہی از منکر کے مسئلہ کو پیش کیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[1]
مومن مَردوں اور مومن عورتوں میں بعض کو بعض پر ولایت حاصل ہے وہ امر بمعروف و نہی از منکر کرتے ہیں۔

لیکن یہ معنی اسی وقت درست ہو سکتے ہیں جب اولیاء کے معنی دوستی و محبت کے نہ لیں۔ لہٰذا معاشرہ پر حاکم شخص کی ولایت اگر خدا کی طرف سے نہیں ہے تو وہ باطل و بے بنیاد ہے اور اس شخص کو حکم دینے اور معاشرہ کے مختلف امور میں حکم چلانے اور تصرف کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے ولی امر اور مقننہ، مجریہ، قضائیہ پر فائز شخص کو خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہونا چاہیے تاکہ اس کے واسطہ سے ولایتِ الٰہی عملی جامہ پہن سکے۔

(۳) —— دنیا کی ہر حکومت، بعض مواقع پر اجتماعی نظام کی حفاظت عمومی مصالح اور امور مملکت چلانے کے لیے بعض لوگوں کے جان و مال پر تصرف کرنے پر مجبور ہے، خواہ ان اموال کے مالک حضرات اس تصرف پر راضی بھی نہ ہوں۔

بطور مثال چند چیزیں ملاحظہ ہوں:

الف —— جو لوگ ذہنی طور پر کمزور ہوں مثلاً بچہ، نابالغ، دیوانہ، یا کم عقل شخص جو اپنے مال میں تصرف کا شعور نہیں رکھتا،

---

[1] سورۂ توبہ ۹۔ آیت ۷۱

اگر ان کے باپ یا دادا نہ ہوں ——— یعنی ولی شرعی نہ ہو، تو حکومت کا فریضہ ہے کہ ان کے اموال کو ایسے مقامات پر استعمال کرے، جہاں سے ان لوگوں کو فائدہ ہو۔ اسی طرح ان سے متعلق دیگر امور جیسے تعلیم و تربیت وغیرہ میں بھی ان کی نگرانی کرے۔

ب ——— جو لوگ غائب ہو گئے ہوں اور ان کی کوئی خیر خبر معلوم نہ ہو، تو جب تک ان کی موت نہ ثابت ہو جائے یا شرعی حکومت کی طرف سے شرائط و ضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی موت کا حکم نہ لگایا جائے، اس وقت تک حکومت کا فرض ہے کہ ان لوگوں کے اموال کی حفاظت و نگہداری اور ان کے اموال پر تصرف کے لیے ایک نگراں معین کردے۔

ج ——— وہ مال جس کے مالک کے متعلق معلوم نہ ہو کہ کون ہے لیکن یہ معلوم ہو کہ اس کا کوئی مالک ہے۔

د ——— عمومی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے، سڑکوں کو بنانے کے لیے ٹیکس لینا، یا اگر سڑک کسی کے گھر سے یا کسی کی زمین سے گزر رہی ہے تو حکومت اس پر تصرف کر سکتی ہے۔ چاہے مالک راضی نہ ہو۔ اسی طرح غذائی اشیاء کی اگر ذخیرہ اندوزی کی گئی ہو اور لوگوں کو ضرورت ہو یا اسی قسم کے دیگر مقامات پر کتب فقہیہ میں بیان کیے گئے شرائط

کے ساتھ حکومت ان اموال پر ان کے مالکوں کی رضامندی
کے بغیر بھی تصرف کر سکتی ہے۔

ھ ــــــ قصاص کا حکم دینا، تعزیرات وحدود کا جاری کرنا، حقوقی مسائل میں عدالت کرنا، غاصب سے کسی کا مال یا حق وصول کرنا۔ شریعت کی شرائط کے مطابق یہ چیزیں بھی افراد کے جان و مال میں ایک قسم کا تصرف ہے جو ہر حکومت کے لیے ضروری اور ناقابل اجتناب ہے۔

و ــــــ کچھ ایسے بھی اموال ہیں جن کا تعلق عام لوگوں سے ہے کسی خاص شخص سے مربوط نہیں ہے۔ مثلاً بنجر زمینیں اور ان میں جو معدنیات ہوں، مال میراث جس کا کوئی وارث نہ ہو اس قسم کے اموال میں حکومت کو حق تصرف حاصل ہے۔

البتہ ایک مسلم عقلی اصول بلکہ شرعی قاعدہ یہ بھی ہے کہ جو شخص جس چیز کا بھی مالک ہے اور وہ چیز اس کی ہے بھی تو وہ اپنی اس چیز پر مسلط ہے۔ کسی دوسرے کو مالک کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف جائز نہیں ہے۔

"اَلنَّاسُ مُسَلَّطُوْنَ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ"

"لوگ اپنے مال اور اپنی جان پر مسلط ہیں۔"

"لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَّتَصَرَّفَ فِیْ مَالِ
غَیْرِهٖ بِغَیْرِ اِذْنِهٖ۔"

"کسی کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف حلال نہیں ہے"۔[۱]

مختصر یہ کہ اصولِ مالکیت، اسلام کے اصولِ مسلّمہ میں سے ہے، بلکہ عقلی اصول ہے، اگرچہ اس کے حدود و ضوابط میں کافی اختلافِ نظر موجود ہے۔

لیکن ہر حکومت اجتماعی مصالح کی خاطر ———

اس قسم کے مواقع پر اس اصول (اصول مالکیت) سے چشم پوشی کر لیتی ہے اور مالکانِ اموال کی اجازت حاصل کیے بغیر ان اموال میں تصرف کرتی ہے۔

لیکن اسلام اور تمام الٰہی حکومتوں میں مسئلہ کو اس طرح حل کیا گیا ہے کہ اصولِ مالکیت اپنی جگہ پر باقی ہے۔ نہ اس کو کوئی خطرہ ہے اور نہ اسلامی حاکم کے تصرفات کو اصول مالکیت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

اس کی صورت یہ ہے:

جس طرح ہر شخص اپنے اموال پر تسلط رکھتا ہے۔ اسی طرح ہر شخص کے اموال پر خدا کا بھی تسلط ہے، اس طرح کہ خدا کی ولایت لوگوں کے نفوس و اموال پر، لوگوں کی ولایت سے مقدم ہے، اور خدا کا تسلط، لوگوں کے تسلط سے قوی تر ہے۔ کیونکہ خدا کی ولایت، انسان کی ولایت پر مقدم ہے اور اپنی جگہ پر خود یہ ایک عقلی و اسلامی اصل ہے۔

پس اگر حکومت و ولایت خدا کی طرف سے ہے تو جہاں لوگوں کے اموال یا نفوس پر تصرف کی ضرورت ہو گی اور عمومی و اجتماعی مصالح اور حفظِ نظام اس پہ موقوف ہو گا، وہاں پر تصرف ولی اللہ کے واسطے سے ہو گا۔

ولی اللہ سے مراد وہ شخص ہے جس کی حکومت خدا کی طرف سے ہو۔

---

[۱] وسائل ج ۶ کتاب الخمس باب ۳۔ ابواب الانفال حدیث ۶

اور یقینی طور پر ولی اللہ کی ولایت، صاحب مال کی ولایت پر اسی طرح مقدم ہے جس طرح انسان کے جان و مال پر انسان کی ولایت سے زیادہ خدا کی ولایت قوی و مقدم ہے۔

اور بنیادی طور سے ہر شخص کی ہر چیز پر مالکیت، اسلامی قوانین و ضوابط کے تحت ہونی چاہیے۔ اور اگر اسلامی نقطۂ نظر سے اس کی مالکیت کی تائید نہ ہوتی ہو تو پھر وہ شخص مالک ہی نہیں ہے ــــــــــــــــ

اور جب وہ مالک ہی نہیں ہے تو پھر ولی اللہ کی ملکیت ہے اور اسے اس پر پورا پورا حقِ تصرف ہے۔

مثلاً ــــــــ

اگر کوئی شخص غیر شرعی طریقوں جیسے سود، غصب، قمار بازی حرام و باطل معاملات کے ذریعہ مال حاصل کرے تو وہ شخص اس مال کا مالک نہیں ہے۔ لہٰذا ہر شخص کی مالکیت شارعِ مقدس کی تائید و اجازت پر موقوف ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر جگہ شخصی اجازت کی ضرورت ہے، بلکہ حصول و تحصیل مال کے جو طریقے شارع نے بیان کر دیے ہیں اگر ان طریقوں سے حاصل ہوا ہے تو یہی اجازت ہے اور کافی ہے ــــــ اور وہ شخص اس کا مالک ہے۔

لہٰذا اگر ولی شرعی، یعنی جو شارع کی طرف سے مجاز ہے اور حقِ ولایت رکھتا ہے ــــــ اسلامی قوانین کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی مال میں تصرف کرے تو یہ تصرف اس اختیار و حق کی بنا پر ہوگا جو خدا کی طرف سے اس کو ملا ہے، اُس خدا کی طرف سے جس نے سب کے جان و مال اور تکوین و تشریع کو اس کی ولایت کے قبضہ میں دے دیا ہے۔

پس یہاں پر اصولِ مالکیت کو ترک نہیں کرنا ہے، بلکہ اس کے مقابلہ میں ایک دوسری اصل ——— ولایتِ خدا ——— سے استفادہ کرنا ہے، جو عقلاً و شرعاً اصولِ مالکیت پر ہر طرح سے مقدم ہے۔

قرآنی نقطہ نظر سے خدا اور رسولؐ کی ولایت کا لوگوں کی ولایت پر مقدم ہونا

قرآنِ مجید میں ایسی کئی آیات ملتی ہیں جن میں خدا و رسولؐ کی ولایت کو، لوگوں کی اپنی جان و مال کی ولایت پر مقدم قرار دیا گیا ہے۔

• وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا۔[1]

"اگر خدا یا رسولؐ کسی چیز کو انجام دے دیں (یا حکم دیدیں) تو پھر اس معاملہ میں کسی مومن مرد یا عورت کو کوئی اختیار نہیں رہتا اور جو خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ کھلم کھلا گمراہ ہے۔"

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور رسولؐ کا ارادہ دوسروں کے ارادہ پر مقدم ہے اور جو کام بھی خدا یا رسولؐ انجام دے دیں، اس میں دوسروں

---

[1] سورۂ احزاب ۳۳ آیت ۳۶

کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ"[۱]

"مومنین کے نفسوں پر خود ان سے زیادہ نبیؐ حق رکھتا ہے۔"

یعنی مومنین کی جانوں پر نبیؐ کا اختیار کہیں زیادہ ہے بہ نسبت خود مومنین کے ——————!

اس آیت کی بنا پر لوگوں کے جان و مال پر لوگوں کی طرح رسول خداؐ کو بھی حق تصرف ہے، بلکہ رسولؐ کا حق اولیٰ و اقویٰ ہے۔ البتہ یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ مصالح عمومی اور اسلامی قوانین کے خلاف کبھی رسول خداؐ تصرف نہیں کریں گے۔

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا"[۲]

"تمھارے رب کی قسم جب تک یہ لوگ اپنے اختلافی معاملات میں آپؐ کو حاکم نہ بنائیں اور پھر جو بھی فیصلہ آپؐ کر دیں اس کے بارے میں اپنے دل کے اندر تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم نہ کر لیں اس وقت تک یہ مومن نہیں ہوں گے۔"

۱۔ سورہ احزاب ۳۳ - آیت ۶ ۲۔ سورہ نساء ۴ آیت ۶۵

یہ آیت بھی تنازعات میں رسولِ خداؐ کی ولایت کو ثابت کرتی ہے اور حکمِ رسولؐ کے سامنے سب کے لیے سرِ تسلیم خم کرنے کو لازم قرار دیتی ہے۔

ولایت حضرت علیؑ و ائمہؑ

جو ولایت رسولِ خداؐ کو حاصل ہے، اسی ولایت کو حضور اکرمؐ نے ہزاروں مسلمانوں کے سامنے حضرت علیؑ کے لیے قرار دیا اور فرمایا :

"اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ۔"

"کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ اولویت نہیں رکھتا؟"

یہ سوال اس آیت کی طرف اشارہ ہے :

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔"

لوگوں نے کہا ——— "ہاں!"

اس طرح تمام لوگوں نے رسولؐ کی اولویت کو تسلیم کرلیا۔

تب پیغمبرؐ نے فرمایا :

"مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔"

"میں جس کا مولا ہوں علیؑ بھی اس کے مولا ہیں۔"

ان آیات و روایات میں مسئلہ ولایت کی جس طرح تعبیر کی گئی ہے وہ لوگوں کے جان و مال ہیں ولی امر کے تصرف کو بالکل صحیح ثابت کرتی ہے اور لوگوں کے مختلف امور میں خدا اور رسولؐ و امامؑ کی اولویت کو ان سے زیادہ قوی ثابت کرتی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ لوگوں کے جان و مال میں حکومت کے تصرّفات کی صحت کے لیے خدا کی طرف سے تعیین و نصب ضروری ہے تاکہ اسلام کے دوسرے اصول و قواعد سے کوئی ٹکراؤ نہ ہونے پائے اور صاحبانِ مال و دیگر وہ حضرات جو اس تصرّف کا شکار ہوتے ہیں ان کی نظروں میں یہ تصرّف صحیح و شرعی و اسلامی ہو۔ کیونکہ غیر الٰہی حکومتوں کے تصرفات کو لوگ غاصبانہ و غیر شرعی سمجھتے ہیں اور الٰہی حکومتوں کے تصرفات کو شرعی جانتے ہیں۔

(۴) ـــــ بے شک اسلامی حکومت ایک مکتبی حکومت ہے اور لوگوں کے ایمان و اعتقاد کی بنیاد پر استوار ہے۔ اور ایسی حکومت کا سربراہ دو لحاظ سے اس مکتب فکر کا خصوصی ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر کامل اعتقاد کا حامل بھی ہونا چاہیے۔ تاکہ اس کی حکومت کے مقاصد کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ وہ دونوں اعتبار اس طرح سے ہیں:

اوّل: معاشرہ میں صحیح قوانین و عدل الٰہی کے نفاذ کا نگراں ہو، اور اسی کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کو ذمہ داری سونپے جو اس مکتب فکر پر کامل ایمان رکھتے ہوں، کیونکہ جب تک حکومت چلانے والے افراد اس حکومت کے نظام پر عقیدہ نہ رکھتے ہوں گے اور اپنے عہدے و پوسٹ کو اس ذمہ داری کے ساتھ قبول نہ کریں گے جس سے حکومت کے احکام کا نفاذ اور مقاصد کا اجرار مقصود ہو اس وقت تک وہ نظام کامیابی سے ہمکنار نہ ہو گا اور بطور صحیح و کامل اس کے مقاصد پورے نہ ہو سکیں گے۔

اصولی بات ہے کہ جب تک حکومت چلانے والے افراد اسلام و مسلمانوں کے لیے مخلص و دلسوز نہ ہوں گے اور دن رات سعی و

کوشش کرکے اسلامی نظام کو چلانے اور اس کی رکاوٹوں کو یکے بعد دیگرے برطرف کرنے والے نہ ہوں گے اور لوگوں کو عدلِ اسلامی کی طرف راغب کرنے کے ساتھ شخصی منافع کی ہرگز فکر نہ کرنے والے نہ ہوں گے اس وقت تک حکومت کے مقاصد شدہ تعبیر نہ ہو پائیں گے۔

اور اگر (خدانخواستہ) افرادِ حکومت موقع پرست، ریاست و حکومت کے لالچ میں گرفتار، اپنے عہدے کو حصول منافع مادی کا ذریعہ بنانے والے، اسلام سے دلچسپی نہ رکھنے والے یا اسلام و انقلاب کے مخالف ہوں گے تو اسلامی احکام کا رائج کرنا تو درکنار وہ تخریب کاری کریں گے اور ایسے اسباب پیدا کریں گے جس سے لوگ اسلامی نظام ہی کے دشمن ہو جائیں۔

دوم: اسلامی نظام کا بنیادی مقصد معاشرہ کی تربیت اور اس کو خدا کی طرف متحرک کرنا ہے۔ صرف وسائل آسائش، اقتصادی حالات، رفاہِ عامہ کے وسائل کی فراہمی اور تہذیب و ٹیکنالوجی میں اضافہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ اور اس قسم کی دوسری چیزیں اصل مقصد کے حصول کا مقدمہ ہیں، اصل مقصد انسانیت کی تعمیر اور لوگوں کو خدا و معنوی مسائل کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

لہٰذا اسلامی حکومت کا سربراہ ایسے شخص کو ہونا چاہیے جو حکومت کے بنیادی مقصد کو ہر وقت پیش نظر رکھے تاکہ ایک ایماندار اور ذمہ دار معاشرہ قائم کر سکے اور اس بات کی طرف پوری توجہ مبذول رکھے کہ جو معاشرہ خدا پر ایمان رکھتا ہے اور معنوی و اخلاقی مسائل کی طرف

متوجہ ہے اور اس میں ہوا و ہوس کا غلبہ بہت ہی کم ہو، اس میں اجتماعی عدالت اچھی طرح اور جلد از جلد نافذ ہوگی، بہ نسبت اُس معاشرہ کے جس کے لوگ اخلاقی برائیوں کا شکار ہوں اور شیطانی خیالات کے تابع ہوں اور ان کا مطمع نظر صرف مادی مسائل ہوں۔

نہ معلوم کتنے ابوذر، مقداد، عمار، سلمان، مالک اشتر، حجر بن عدی جیسے لوگ ہیں جنھوں نے خندہ پیشانی اور کھلی آغوش کے ساتھ عدالت اسلام کا استقبال کیا ہے ————— ؛

لیکن کتنے طلحہ، زبیر، معاویہ، مغیرہ بن شعبہ بھی ہیں جو اس سے گریزاں ہیں اور اسلام و عدالتِ اسلام کے نفاذ میں سدِ سکندری بنے ہوئے ہیں۔

جس طرح آج بھی بہت سے مومن جوان ہیں اور مسلمان ہیں جو نماز گزار اور روزہ کے پابند ہیں۔ جنھوں نے انقلاب اسلامی کو آگے بڑھایا ہے اور بڑھا رہے ہیں، اپنی تمام بے سروسامانی اور تکالیف کے باوجود —————

اسلام کی راہ میں عاشقانہ جاں نثاری کرتے ہیں،

اور —————

جذبۂ شہادت و فداکاری میں سرشار ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو معاشرہ میں عدالت اسلامی کے قیام کے خواہشمند ہیں۔

اسی طرح کچھ ایسے بھی ہیں جو اخلاقی و معنوی معیار سے بے بہرہ ہیں، شہوت و خواہشات کے علاوہ ان کا کوئی مقصد نہیں ہے، جن کا زاویۂ نگاہ مادی لذائذ اور منصب و مقام کے علاوہ کچھ نہیں ہے —————

یہ لوگ عدالتِ اسلامی کے دشمن ہونے کے ساتھ انقلاب

کی راہ میں کسی بھی قسم کی فداکاری کے لیے تیار نہیں ہیں اور چونکہ انقلاب نے ان کے ذرائع عیش و عشرت پر پہرے بٹھا دیے ہیں لہٰذا اس سے سخت نالاں ہیں۔

پس نہ صرف یہ کہ ــــــــــــ

مکتبِ اسلام کا بنیادی مقصد معاشرہ میں اخلاقی اور معنوی اقدار کا زندہ کرنا اور انسان کو خدا کی طرف متوجہ کرنا ہے، اور اسلامی جہاں بینی کی بنیاد پر انسان کو تربیت و اخلاق کے پرتو میں قربِ الٰہی حاصل کرنا چاہیے تاکہ اسے اگلے جہان میں بخشش و سعادت کی ضمانت مل سکے۔

اسلامی نظام کا دوسرا مقصد، قانون کا نفاذ اور معاشرتی انصاف کا رواج ہے جو اس اخلاق اور ایمان کے سائے میں بہتر طور پر قائم ہوگا۔

اسی بنیاد پر قرآن نے پیغمبر اسلامؐ کو مربّی و معلّم بشر کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے اور بعثت کا مقصد تعلیم و تربیت قرار دیا ہے۔

چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔"[1]

"وہ خدا وہی تو ہے جس نے مکہ والوں میں ایسا رسول بھیجا

---

[1] سورۂ جمعہ ۶۲ - آیت ۲

جو ان کے درمیان آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا
تزکیۂ نفس کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے
اگرچہ اس سے پہلے یہ کھلی گمراہی میں تھے۔"

البتہ بعض آیتوں میں بعثت انبیاء کا مقصد تعلیم وتربیت کی بجائے عدل وانصاف کا نفاذ قرار دیا گیا ہے۔

مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

"لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ
اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ
لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" [۱]

"ہم نے اپنے رسولوں کو معجزات وآیات کے ساتھ بھیجا اور
ان کے ساتھ کتاب ومیزان بھی نازل کیا تاکہ لوگ عدل و
انصاف کے ساتھ قیام کریں۔"

اس لیے الٰہی حکومتوں اور آسمانی مکاتب کے لیے اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے ایک ایسے خدائی نمائندہ کا سرپرست وولی امر مسلمین کی صورت میں ہونا ضروری ولازم ہے جو ان مقاصد کے حصول کے لیے اہلیت وصلاحیت رکھتا ہو۔

اس معیار کے تعین کیے بغیر جو ان مقاصد کے لیے ضروری ہے، مسئلہ ولایت وحکومت کو لوگوں کے سپرد کردینا، مقصد کو فوت کردینے اور مقصدِ تخلیق کو

---

[۱] سورۂ حدید ۵۷- آیت ۲۵

کھو دینے کے مترادف ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں مسئلہ ولایت بہت اہمیت کا حامل ہے۔ انتہا یہ ہے کہ مسائل اعتقادی کی ردیف میں اس کو قرار دیا گیا ہے اور شیعی نقطہ نظر سے تو اس کو اصول دین میں شمار کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی نظر میں مسئلہ ولایت اتنا اہم ہے کہ غدیر کے دن جب رسولؐ کے بعد خلیفۃ المسلمین کا اعلان ہو گیا تو اس کو تکمیل دین اور مسلمانوں پر اتمام نعمت کے عنوان سے ذکر کیا گیا:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔"[۱]

"(مسلمانو) آج میں نے تمھارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تمھارے اوپر نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو اپنا پسندیدہ دین قرار دیا۔"

اور اس سے پہلے آیت کا حصہ یہ ہے:

"اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِ۔"

یعنی آج جبکہ مسئلہ ولایت ثابت کر دیا گیا اور رسولؐ کے بعد دین کا حافظ و نگہبان معین کر دیا گیا تو کفار تمھارے دین سے مایوس ہو گئے۔

---

[۱] سورہ مائدہ ۵ آیت ۳

یعنی کافروں کی یہ امید کہ رسولِ خدا کے بعد دین وحکومتِ الٰہی کا خاتمہ ہوجائے گا مایوسی سے بدل گئی، لہٰذا تم لوگ اب کفار سے نہ ڈرو، صرف مجھ سے ڈرو۔ یہ کنایہ ہے کہ خدا اور ولی امر کی مخالفت کرکے حکومتِ اسلامی کے انہدام کے اسباب مہیا نہ کرو اور مسئلہ ولایت میں اختلاف کرکے دین کو نقصان نہ پہنچاؤ۔

ان روایات میں بھی کہ جن میں اسلام کے ارکان وستون کا ذکر کیا گیا ہے ولایت کو ان سب میں اہم قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ زرارہ کی ایک معتبر حدیث ہے جس میں انھوں نے امامؑ سے ولایت کی دیگر ارکانِ اسلام جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر برتری کا سبب دریافت کیا تو امامؑ نے فرمایا:

"لِاَنَّهَا مِفْتَاحُهُنَّ وَالْوَالِي هُوَ الدَّلِيلُ عَلَيْهِنَّ"

"چونکہ تمام ارکان کی کلید ولایت ہے اور مسلمانوں کا والی و حاکم ان کے لیے رہنما ہے"[1]

ایک حدیث حضرت علیؑ سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

"وَ اَمَّا مَا فَرَضَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنَ الْفَرَائِضِ فِي كِتَابِهٖ فَدَعَائِمُ الْاِسْلَامِ وَهِيَ خَمْسُ دَعَائِمَ وَعَلٰى هٰذِهٖ

---

[1] بعد میں اس روایت کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

الْفَرَائِضَ بِنَیَ الْإِسْلَامُ...... ثُمَّ
الْوِلَایَۃَ وَھِیَ خَاتِمَتُھَا وَالْحَافِظَۃُ لِجَمِیْعِ
الْفَرَائِضِ وَالسُّنَنِ۔" ؎

"جن چیزوں کو خدا نے قرآن میں فرض قرار دیا ہے وہی اسلام کے ستون ہیں اور وہ پانچ چیزیں ہیں جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔"

پھر حضرتؑ نے ان چیزوں کے ناموں کا ذکر فرما کر فرمایا:

"پھر ولایت ہے اور یہی ان سب کا خاتمہ اور تمام الٰہی فرائض وسنن کی حفاظت کرنے والی ہے۔"

بنا برایں یہ حدیث اور اس سے پہلی والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ارکان اسلام، ولایت کے زیر سایہ رکھے گئے ہیں۔ اگر ولایت نہیں ہے تو پھر اسلام بھی نہیں ہے۔

انبیاء کی ولایت

اب تک کی بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولایت الٰہی کو عملی بنانے کے لیے ہم جس طرح وحی و نبوت کے محتاج ہیں اسی طرح معاشرہ کی سرپرستی کے لیے ایک خدائی عہدہ دار کے بھی محتاج ہیں۔

؎ وسائل۔ ج ۱۔ ص ۱۸

اب بحث طلب یہ مسئلہ ہے کہ کس طرح ایک شخص کو ذمہ داری سپرد کی جائے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اسلام کے اندر ولی امر اور امام المسلمین کے تقرر کے دو طریقے رائج ہیں :

(۱) ——— خاص تقرّر

(۲) ——— عام تقرّر

(۱) خاص تقرّر

تقرر خاص کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو معین و مخصوص علامت کے ساتھ رہبری کے لیے نامزد کیا جائے جس طرح انبیائے کرام خدا کی طرف سے معین ہوا کرتے تھے جیسے جناب ابراہیمؑ، جناب اسحاقؑ، جناب یعقوبؑ کہ قرآن سورۂ انبیاء کی ۷۳ ویں آیت میں ان بزرگواروں کے نام کو ذکر کرکے اعلان کرتا ہے :

"وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ"

ہم نے ان لوگوں ——— ابراہیمؑ، اسحاق، یعقوبؑ ——— کو ایسے امام بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کیا کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کام انجام دینے کی وحی (بھی) کی۔

دوسری جگہ جہاں بنی اسرائیل کا نام آیا ہے ارشاد ہوتا ہے :

"وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا" [۱]

---

[۱] سورۂ سجدہ ۳۲ - آیت ۲۴

"ان میں سے ہم نے امام و رہبر قرار دیے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے۔

جناب ابراہیمؑ کے لیے ارشاد ہے:

"قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" [1]

"خداوندِ عالم نے کہا میں تم کو لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔"

۲ عام تقرر

یہ صرف ولایتِ فقیہ کے بارے میں ہے۔ اس کی خصوصیات و تفاصیل سے ہم آئندہ سطور میں بحث کریں گے۔

امامِ معصوم کی ولایت

شیعہ عقائد کی رو سے، ختمِ رسالت کے بعد حکومت و ولایت کے عہدہ پر ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین فائز تھے۔

لیکن کچھ سرکش لوگوں اور اس وقت کے معاشرہ کے خصوصی حالات کی بنا پر چند سال حضرت علیؑ اور چند ماہ امام حسنؑ کے علاوہ باقی ائمہ زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکے کہ نظامِ عدلِ اسلام کو دنیا میں نافذ کر سکتے۔

لیکن بدترین حالات اور حکومت کی سختیوں کے باوجود نظامِ امت و امامت کی اس بنیاد کو جو عدلِ الٰہی و اسلامی کی ضامن اور الٰہی حکومت کے عملی جامہ

---

[1] سورۂ بقرہ ۲ - آیت ۱۲۴

پہنائے جانے کا ذریعہ تھی، معاشرہ کے سامنے پیش کر دیا اور ایسے افراد کی تربیت کر دی جو اسلامی معاشرہ کے لیے نمونہ ہوں اور تاریخ میں ایک ایسے طاقتور گروہ کی تربیت و تعلیم کر سکیں جو طاغوتی حکومتوں، شیطانی قوتوں، ستمگروں اور جباروں سے پنجہ آزمائی اپنا مذہبی فریضہ سمجھے اور اس گروہ کے ہاتھ میں علمی، فرہنگی، منطقی ہتھیار دیدیں جو ایک نہ ایک دن ظلم و ستم کے محلوں کو مسمار کر دیں اور دنیا کی بڑی طاقتوں کا گھمنڈ مٹی میں ملا دیں۔

اور یقینی طور پر ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب پوری دنیا میں عدلِ الٰہی چھا جائے گا اور قرآن نے متعدد جگہ پر کہا بھی ہے کہ ———

دینِ الٰہی دنیا میں حاکم ہو گا۔

اور متعدد روایات میں، کفر و ظلم کی نابودی اور تمام طاغوتی نظاموں کے خاتمہ کا قطعی وعدہ کیا گیا ہے۔

لیکن اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ———

معصوم کی ضرورت ہے،

جو خدائی وعدوں کو پورا کر سکے اور پوری کائنات میں عدل و انصاف کے سکّہ کا رواج معصوم کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لیے آخری امامؑ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا اور طاغوت و آدمی نما درندوں سے دُور ہو گیا تاکہ آپؑ اس دن کام آئیں جب وعدہ الٰہی پورا ہو۔

اسی بنیاد پر شیعہ عقیدہ ہے کہ ———

بارھویں امام حضرت حجۃ ابن الحسنؑ ولی اللہ اعظم اور امامِ امت ہیں جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

اور دنیا ان کا انتظار کر رہی ہے۔

ولایتِ فقیہ یا عام تقرّر

زمانۂ غیبت میں ان لوگوں کے لیے جو بیدار ضمیر اور آزاد فکر رکھتے ہیں اور جو ممکنہ حد تک آسمانی تعلیمات سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور اگر ان کو موقع مل جائے تو خواہ محدود عنوان سے ہو یہ اسلامی حکومت قائم کر کے نظامِ عدل الٰہی کو فروغ دینے کے خواہش مند ہیں۔ ولی فقیہ کے لیے امام معصوم کی طرف سے کچھ شرائط وصفات کا ذکر ہونا چاہیئے تاکہ جو شخص بھی ان شرائط کا حامل ہو وہ امام زمانہؑ کی نیابت کر کے عہدہ دارِ ولایت ہو ــــــــــــــ

اور اسی کو ہم فقیہ عادل کی ولایت کہتے ہیں۔

چونکہ اس تقرر کا تعلق کسی مخصوص شخص سے نہیں ہوتا۔ بلکہ جس میں بھی صفات وشرائط پائی جائیں ــــــــــــــ

مثلاً فقیہ ہو، عادل ہو، بصیر ہو،

اپنے زمانہ کے حالات سے باخبر ہو، وہ ولایت کا عہدہ دار ہو سکتا ہے اور نیابت امام حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لیے اس کو عام تقرر کہتے ہیں۔

امامؑ نے نہ تو مسلمانوں کو معین کیا ہے اور نہ کوئی مخصوص شخص ان کے پیشِ نظر ہے۔ بلکہ جس کے اندر تمام اوصاف وشرائط پائی جائیں گی وہی ولی امر ہو گا اور پھر ایسی صورت میں دوسروں سے یہ مسئولیت ساقط ہو جائے گی۔

یہ نیابت ایسی ہی ہے جیسی کہ حضرت علیؑ اپنے زمانہ میں شہروں، دیہاتوں، صوبوں کے لیے اشخاص معین فرمایا کرتے تھے۔ بس فرق اتنا ہے کہ وہ لوگ نائب خاص ہوتے تھے اور فقیہ عادل نائب عام ہوتا ہے۔

بلکہ خود ائمہ کی موجودگی کے زمانہ میں بھی جہاں کے لوگ امام معصوم

تک رسائی نہیں حاصل کر سکتے تھے ان کے لیے فقیہ عادل مقرر کیا جاتا تھا۔ پس تقرر عام زمانۂ غیبت کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ عمر بن حنظلہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ کی زندگی میں بھی یہ چیز موجود تھی۔

البتہ اس زمانہ کی ولایت حکومت کی صورت میں نہیں تھی۔ بلکہ صرف جہاں لوگوں میں اختلاف ہو جائے وہاں قضاوت و فیصلہ کی حدود تک محدود تھی۔ [1]

ولایتِ فقیہ پر دلیل

ولایت فقیہ، ان مسائل میں سے ہے جن پر فقہی اور استدلالی کتب میں بھرپور انداز میں لکھا گیا ہے لیکن یہاں پر مسئلہ کی فقہی حیثیت سے بحث مقصود نہیں ہے، اس لیے دلیلوں سے اعراض کیا جارہا ہے،

صرف ایک نکتہ کی طرف اشارہ مقصود ہے ——————

اور وہ یہ ہے کہ!

حکومت کسی بھی معاشرہ کی اہم ترین ضرورت ہے، کیونکہ حکومت کے بغیر انسانی معاشرہ میں خلل پیدا ہو جاتا ہے اور اجتماعی زندگی ایسی صورت میں ناممکن ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ ——————

اسلام نے انسان کی تمام ضرورتوں کا مثبت جواب دیا ہے اور اس کا قانون اتنا جامع و مکمل ہے کہ جس میں غیر ضروری اور بالکل معمولی

---

[1] عمر بن حنظلہ کی روایت سے بعد میں اجمالاً بحث کی جائے گی۔

معمولی مسائل بھی اس کے دائرے سے خارج نہیں ہیں۔

ان دونوں مقدموں ______

معاشرہ کے لیے حکومت ضروری ہے،

اور ______

اسلام کامل ترین نظام ہے ______ کا نتیجہ یہ ہے کہ زمانۂ غیبت میں بھی معاشرہ کی ضروریات کے بارے میں قانون موجود ہونا چاہیئے۔

کیونکہ یہ تو ناقابل یقین بات ہے کہ اسلام نے اس زمانے کے لیے کہ جو طولانی بھی ہو سکتا ہو، کوئی پیش بینی نہ کی ہو۔ بالفرض اگر کسی معاشرہ میں اسلامی حکومت نہ ہو تو یہ اس کے مصداق ہے کہ اس معاشرہ میں اسلام ہی نہیں۔

اسلام کے اجتماعی و سیاسی قوانین، جیسے اقتصادی مسائل، حدود، دیات، قصاص، قضاوت وغیرہ وغیرہ پر عمل نہ ہو رہا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف اسلام کے عبادتی و اخلاقی مسائل پر عمل ہوگا اور پھر ان کی بجاآوری بھی طاغوتی وغیر اسلامی حکومت میں، صحیح طریقہ سے ناممکن ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ______

اسلامی احکام و مسائل ہیں،

اگر حکومت نہیں ہے ______

کوئی بھی مسئلہ مکمل طریقہ سے نافذ نہیں ہو سکتا۔

اور یہ بات طے ہے کہ اسلام صرف رسولؐ و ائمہؑ کے زمانہ کے لیے مخصوص نہیں ہے، لہٰذا حفظِ نظام اور احکامِ اسلام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ایسی حکومت کا ہونا ضروری ہے جو مطلوب خدا ہو، کیونکہ احکام اسلام کا عملی ہونا بھی مطلوب خدا ہے۔ اور اسلامی حکومت ایک ایسی لازمی چیز ہے جس کے لیے پورے

معاشرہ کو کوشش کرنی چاہیے اور چونکہ حکومت کا مقصد عدالت و انصاف کو پھیلانا، قوانینِ اسلام کا نفاذ، اور معاشرہ کی اسلامی تربیت ہے۔
لہٰذا اس اسلامی حکومت کا سربراہ ایک ایسا عادل فقیہ ہو جو زمانہ کے حالات سے آگاہ ہو اور حکومت چلانے کی صلاحیت رکھتا ہو تاکہ اسلامی حکومت نافذ ہو سکے۔

روایات سے حکومت کی ضرورت

(١) ۔ جناب صدوقؒ نے "علل الشرائع" کے اندر ایک روایت فضل ابن شاذان سے نقل کی ہے اور فضل نے امام رضاؑ سے نقل کیا ہے۔ امام علیہ السلام نے اس حدیث میں حکومت کے ضروری ہونے اور امت کی رہبری کے لیے وجود امام کے لازمی ہونے پر تین دلیلیں بیان فرمائی ہیں:
اوّل: قوانین کے نفاذ اور لوگوں کے ایک دوسرے پر ظلم و تعدی روکنے کے لیے ان کا وجود ضروری ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

"فَإِنْ قَالَ فَلِمَ جُعِلَ أُولِي الْأَمْرِ وَأُمِرَ بِطَاعَتِهِمْ؟ قِيلَ لِعِلَلٍ كَثِيرَةٍ: مِنْهَا أَنَّ الْخَلْقَ لَمَّا وُقِفُوا عَلَىٰ حَدٍّ مَحْدُودٍ وَأُمِرُوا أَنْ لَا يَتَعَدَّوْا ذَٰلِكَ الْحَدَّ لِمَا فِيهِ مِنْ فَسَادِهِمْ لَمْ

يَكُنْ يُثْبِتُ ذٰلِكَ وَلَا يَقُوْمُ اِلَّا بِاَنْ يَجْعَلَ عَلَيْهِمْ فِيْهِ اَمِيْنًا يَمْنَعُهُمْ مِنَ التَّعَدِّيْ وَالدُّخُوْلِ فِيْمَا حُظِرَ عَلَيْهِمْ لِاَنَّهٗ اِنْ لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ لَكَانَ اَحَدٌ لَا يَتْرُكُ لَذَّتَهٗ وَ مَنْفَعَتَهٗ لِفَسَادِ غَيْرِهٖ فَجَعَلَ عَلَيْهِمْ قَيِّمًا يَمْنَعُهُمْ مِنَ الْفَسَادِ وَيُقِيْمُ فِيْهِمُ الْحُدُوْدَ وَالْاَحْكَامَ۔"

"اگر کوئی کہے کہ کیوں ولی امر قرار دیا گیا ہے اور اس کی اطاعت واجب قرار دی گئی ہے؟ تو اس کو جواب دیا جائے گا کہ اس کی وجوہات تو بہت ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ معاشرہ کو فساد و ہرج و مرج اور ظلم و تعدی سے محفوظ رکھنے کے لیے کچھ حدود و قوانین معین کیے گئے ہیں تاکہ لوگ ان حدود سے تجاوز نہ کریں اور قانون کی حدود میں رہتے ہوئے لوگوں کی حفاظت کی جائے اور چونکہ لوگ خود بخود قانون کے حدود میں نہیں رہتے اور اپنی لذتوں اور شخصی منافع سے درگزر نہیں کرتے اور

یہ چیز دوسرے کی تباہی وفساد کا سبب ہوتی ہے لہٰذا قوانین
کی حدود میں رہتے ہوئے لوگوں کی حفاظت اور دوسروں
کے حقوق پر دست اندازی کو روکنے کے لیے لوگوں پر ایک
امین شخص کا معین کرنا واجب ولازم ہے جو نفاذ قانون کی
ذمہ داری برداشت کرتے ہوئے لوگوں کو قانون کی سرحد
سے تجاوز نہ کرنے دے۔ اس لیے ایسے قیم ونگہبان کا ہونا
بہت ضروری ہے تاکہ وہ لوگوں کو فساد سے روکے اور ان کے
درمیان حدود واحکام جاری کرے۔"

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا یہ دلیل امامؑ وپیغمبرؐ کے زمانہ کے لیے مخصوص
نہیں ہے، کیونکہ یہ اجتماعی ضرورت تو ہر زمانہ میں ہے۔ اور جب تک علت موجود ہے
اس کا معلول بھی موجود رہے گا، لہٰذا ہر زمانہ میں معاشرہ پر خدا کی طرف سے ایک
امین وپارسا شخص کی حکومت ضروری ہے تاکہ وہ لوگوں کو حدود وقوانین سے
تجاوز نہ کرنے دے۔

دوم: ہر قوم کی زندگی وبقا، حکومت وحکمراں کے وجود سے وابستہ ہوتی
ہے۔ لہٰذا امامؑ فرماتے ہیں:

"وَمِنْهَا اِنَّا لَا نَجِدُ فِرْقَةً مِنَ الْفِرَقِ
وَلَا مِلَّةً مِنَ الْمِلَلِ بَقُوْا وَعَاشُوْا
اِلَّا بِقَيِّمٍ وَرَئِيْسٍ لِمَا لَا بُدَّ لَهُمْ

مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا فَلَمْ يَجُزْ فِي حِكْمَةِ الْحَكِيْمِ اَنْ يَتْرُكَ الْخَلْقَ مِمَّا يُعْلَمُ اَنَّهٗ لَابُدَّ لَهُمْ مِنْهُ وَلَا قِوَامَ لَهُمْ اِلَّا بِهٖ فَيُقَاتِلُوْنَ بِهٖ عَدُوَّهُمْ وَيُقَسِّمُوْنَ بِهٖ فَيْئَهُمْ وَيُقِيْمُ لَهُمْ جُمُعَتَهُمْ وَجَمَاعَتَهُمْ وَيَمْنَعُ ظَالِمَهُمْ مِنْ مَظْلُوْمِهِمْ۔"

"ہم کو دنیا میں کوئی ملت و قوم ایسی نہیں ملتی جو بغیر حاکم و سرپرست کے زندہ رہ سکے اور اپنی اجتماعی زندگی کو جاری رکھ سکے کیونکہ ہر قوم کے دین و دنیا کے لیے ایک حاکم و رہبر کا ہونا ضروری ہے اور حکمت خداوندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس ضروری معاملہ میں معاشرہ کو آزاد نہ چھوڑ دے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ملت کی حیات کے لیے ایک ایسے شخص کا وجود ضروری ہے تاکہ لوگ اس رہبر کے زیرنگرانی اپنے دشمنوں سے جنگ کریں اور اس ملت کی خارجی سیاست محفوظ رہ سکے۔ اور عوام کے اموال کو عادلانہ طریقہ سے تقسیم کرسکیں (یعنی اقتصادی نظام عدالت کی بنیادوں پر قائم ہوسکے)

اور اجتماعی عبادات جیسے جمعہ، جماعت کو ادا کر سکیں اور معاشرہ سے ظالموں کے دست ستم کو کوتاہ کر سکیں۔"

امامؑ کی یہ گفتگو ایک منطقی دلیل ہے جو دو نکات پر مشتمل ہے۔

(۱) ——— ہر ملت و قوم کی بقا سرپرست و رئیس کے وجود سے وابستہ ہے۔

(۲) ——— حکمت الہٰی کا تقاضا ہے کہ بندے جن چیزوں کے محتاج ہیں اور جس پر ان کی حیات موقوف ہے، اس کا ان کے لیے انتظام کرے۔

ان دونوں مقدمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند عالم نے اسلامی معاشرہ کے لیے سربراہ و سرپرست مقرر کیا ہے۔

یہ دلیل بھی کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں معاشرہ کے حفظِ حیات و بقاء کے لیے ایک امام و ولی امر کے وجود کو واجب بتاتی ہے۔

سوم: اصول دین و فروع دین کی حفاظت بھی وجود امام و رہبر سے وابستہ ہے۔ اس بارے میں امامؑ فرماتے ہیں:

"وَمِنْهَا اَنَّهُ لَوْ لَمْ يَجْعَلْ لَهُمْ

اِمَامًا قَيِّمًا اَمِيْنًا حَافِظًا مُسْتَوْدِعًا

لَدَرَسَتِ الْمِلَّةُ وَذَهَبَ الدِّيْنُ

وَغُيِّرَتِ السُّنَّةُ وَالْاَحْكَامُ وَلَزَادَ

فِيهِ المُبْتَدِعُونَ وَنَقَصَ مِنْهُ المُلْحِدُونَ وَشَبَّهُوا ذٰلِكَ عَلَى المُسْلِمِينَ لِاَنَّا قَدْ وَجَدْنَا الخَلْقَ مَنْقُوصِينَ مُحْتَاجِينَ غَيْرَ كَامِلِينَ مَعَ اِخْتِلَافِهِمْ وَاِخْتِلَافِ اَهْوَائِهِمْ وَتَشَتُّتِ اَنْحَائِهِمْ فَلَوْ لَمْ يُجْعَلْ لَهُمْ قَيِّمًا حَافِظًا لِمَا جَاءَ بِهِ الرَّسُولُ لَفَسَدُوا عَلَى نَحْوِ مَا بَيَّنَّا وَغُيِّرَتِ الشَّرَائِعُ وَالسُّنَنُ وَالاَحْكَامُ وَالاِيمَانُ وَكَانَ فِي ذٰلِكَ فَسَادُ الخَلْقِ اَجْمَعِينَ۔"[1]

• اگر قوم وملت کے لیے امام، قیم، امین، حافظ، نگہبان رہبر معین نہ کیا جائے تو اسلامی احکام اور دین اسلام (جو سیر الی اللہ اور تکمیل وسعادتِ انسانی کا ضامن ہے) فرسودہ ہوجائیں اور بتدریج بالکل ختم ہوجائیں، اور دین برباد

---

[1] بحار ج ۶ ص ۶۰ طبع جدید

ہوجائے اور سنت واحکام الٰہی متغیر ہوجائیں۔ بدعتی لوگ دین میں اپنی مرضی سے اضافہ کردیں اور جس چیز کو چاہیں دینی رنگ میں پیش کریں اور ملحدین کمی کردیں جس کے نتیجہ میں دین ایک دوسری صورت میں لوگوں کے سامنے نمودار ہو، کیونکہ اس میں کمی وبیشی ہوچکی ہوگی اور یہ اس بات کا موجب ہوگا کہ مسلمانوں پر دین مشتبہ ہوجاتا اور عوام سچے اسلام کو نہ پاسکتے۔ کیونکہ عوام الناس مذہبی مسائل کے محتاج ہیں مگر چونکہ خود کامل نہیں ہیں کہ رہنما سے بے نیاز ہوجائیں اور دوسری طرف نظریات وافکار میں بھی مختلف ہیں اور خواہشات میں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ پس اگر ان کے لیے رئیس وسرپرست معین نہ کیا جاتا تو جہاں لوگ فاسد ہوتے وہاں سنن واحکام الٰہی وشرائع آسمانی میں بھی تغیر کردیا جاتا اور ان تمام تغیرات ودگرگونی کا نتیجہ انسانیت کی تباہی وبربادی کی صورت میں ظاہر ہوتا۔"

تیسری قسم کی توضیح

اس میں امامؑ نے دین ومکتب کو برباد کردینے والے یا اس کو گوشۂ گمنامی میں پہنچانے والے عوامل کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان عوامل کی روک تھام کے لیے ایک حفاظت کرنے والے اور نگہبان کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ ان عوامل کی تفصیل ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:

اوّل: — دین ومکتب کا فرسودہ ہوجانا۔ خود فرسودگی کے چند اسباب ہیں:

الف : ـــــ معاشرہ کا دین ومکتب کے اصولوں سے ناواقف ہونا اور رفتہ رفتہ اس کی بنیادوں ہی کا بھول جانا۔

ب : ـــــ دین نے لوگوں کے لیے جو قوانین اور ذمہ داریاں معین کی ہیں دینی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے یا اندرونی موانع مثلاً نفسانی خواہشات، حسد، طمع، غضب اور دیگر اخلاقی مفاسد کی وجہ سے لوگوں کا اس پر عمل نہ کرنا۔

ج : ـــــ ایسے اسباب کی موجودگی جس کے سبب لوگ دین و مذہب سے بے اعتنائی ولاپرواہی برتنے لگیں اور جس کی وجہ سے جنسی خواہشات دیگر ہوا و ہوس میں شدت پیدا ہو جائے جیسے آج کے دور میں مشرق و مغرب میں جذبات بھڑکانے والے پروگرام، بے ہودہ سرگرمیاں لوگوں کو دین و مذہب سے بیگانہ بنا رہی ہیں اور بعض ممالک میں تو مذہب معاشرہ کے اندر کسی تعمیری کردار کا حامل ہی نہیں بلکہ کلیسا کی چہار دیواری کے اندر شہوت انگیز تحریکوں کے ساتھ ایک گوشہ میں محدود ہو گیا ہے، اس لیے معاشرہ میں دین کی بقاء کے لیے جہاں اس کے اصول و احکام سے مکمل واقفیت اور مواعظ و نصائح کے ذریعہ اخلاقی تربیت ضروری ہے وہاں مذہب مخالف پروپیگنڈہ کا تدارک اور لوگوں میں شوق و عشق و ایمان پیدا کرنا اور معاشرہ کے اندر ہوا و ہوس کے جذبات بھڑکانے والے شعلوں کی روک تھام کرنا چاہیے۔

اس مقصد کے لیے معاشرہ کے اندر ایک ایسے رہبر کا ہونا بہت ضروری

ہے جو مسائل دینی میں ماہر و آگاہ ہو تاکہ معاشرہ کو ان مسائل سے آگاہ کرے جس سے وہ بے خبر ہے ان میں دین سے واقفیت پیدا کرے اور ان کی اخلاقی و عملی تربیت کرے۔

دوم: —— احکام و آداب الٰہی میں تبدیلی بھی آسمانی ادیان کے ختم ہونے کا ایک سبب ہے اور یہ تبدیلی اور تغیر بیشتر اوقات، خدا، رسولؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے اقوال کی غلط تفسیر و غلط توجیہ کی بنا پر ہوا کرتی ہے۔

لوگ اپنے ذوق و سلیقہ و خواہش نفس کے مطابق ——

جس بات کو پسند کرتے ہیں،

اسی پر قرآن کی تطبیق کرتے ہیں، اور کلام خدا کے بارے میں اپنا فیصلہ نافذ کرتے ہیں اور آداب و احکام الٰہی میں تغیر پیدا کر دیتے ہیں۔

اور پھر رفتہ رفتہ سچا اسلام فراموش ہو جاتا ہے۔

یہ حقیقت اب بھی ہمارے معاشرہ میں موجود ہے،

یعنی کچھ ایسے افراد اور گروہ موجود ہیں جو خود کو علوم اسلامی کے ماہرین سے بے نیاز سمجھتے ہیں اور قرآن اور اسلام کی غلط اور من پسند تفاسیر کر کے انھیں اپنے ذوق اور سلیقہ کے مطابق ڈھال دیتے ہیں اور اپنے اسی نقطہ نظر سے اسلام کی ترویج کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں بدترین جرائم سے بھی باز نہیں آتے۔

عظیم شخصیت و کم نظیر یا بے نظیر عالم جیسے استاد مرتضیٰ مطہری قسم کے علماء کو اس خیال سے قتل کر دیتے ہیں تاکہ اپنے خیال خام کے مطابق اسلام کو ان ملاؤں سے نجات دلائیں،

حالانکہ وہ یہ غور نہیں کرتے کہ ——

انھوں نے معاشرہ کو کیا، بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی

ان کے علمی فیوض و برکات سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا ہے اور ملت اور امام امت کو ان کے سوگ میں مبتلا کر کے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

یہ بھی ایک قسم کی کج فکری ہے جو ہمارے معاشرہ میں رونما ہو گئی ہے اور عظیم مصیبت ہے جس نے ہمارے معاشرہ کو چیلنج کر دیا ہے، اس لیے اپنی بھرپور کوششوں سے اس کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔

اور ــــــــ

ان لوگوں کو یہ ذہن نشین کرا دینا بھی لازم ہے کہ،

اسلام کا ادراک کچھ مخصوص معیار و میزان پر موقوف ہے اس کے لیے ہر قسم کی خواہشات و خود پسند نظریات و تاویلات سے دور رہنا ضروری ہے۔

سوم: ــــــ دین و مذہب کو برباد کرنے والا ایک اہم سبب بدعتوں کی بھرمار ہے، یعنی ایسے نئے مسائل جو دین و مذہب میں نہیں ہیں، ان کو دین و مذہب کا جزو بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا اور بعنوان مذہب معاشرہ میں اس کی ترویج کرنا ۔ لیکن یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ ــــــــ

ہر نیا مسئلہ بدعت کے دائرے میں نہیں آتا۔

مثلاً ــــــــ

اگر کوئی شخص مسائل اسلامی کے ادراک میں ماہر ہے اور اجتہاد و استنباطِ احکام کی صلاحیت رکھتا ہے تو اگر وہ مطلوبہ معیارات کے عین مطابق کوئی نیا مسئلہ استنباط کرتا ہے تو ــــــــ

یہ بدعت نہیں ہے۔

بلکہ فقہ شیعہ میں اجتہاد کی بنیاد یہی ہے۔

لیکن اگر کوئی ایسی بات پیش کی جاتی ہے کہ اسلامی مصادر و ماخذ کے اندر اس پر کوئی دلیل نہیں ہے یا اگر ہے تو اس کے برخلاف ہے تو اگر اس بات کو اسلام کے نام پر اور مسلّم مسائل کے جزء کی حیثیت سے پیش کیا جائے ——— تو یقیناً یہ بدعت ہے۔

اور یہی بدعتیں رفتہ رفتہ دین و مکتب کی سرنگوں اور انہدام کا سبب بنتی ہیں۔ اسی لیے اسلام نے بڑی سختی کے ساتھ بدعت اور بدعتیوں کے ساتھ جنگ کا حکم دیا ہے اور اس کو گناہِ عظیم میں شمار کیا ہے ——— اور علماء پر واجب قرار دیا ہے کہ بدعت اور بدعتیوں سے مقابلہ کرو اور بدعتوں کی روک تھام کرو۔

اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

الف: ——— عَنْ اَبِی جَعْفَرٍ قَالَ: خَطَبَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ النَّاسَ فَقَالَ: اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَدْءُ وُقُوْعِ الْفِتَنِ اَهْوَاءٌ تُتَّبَعُ وَاَحْکَامٌ تُبْتَدَعُ یُخَالَفُ فِیْهَا کِتَابُ اللّٰهِ یَتَوَلّٰی فِیْهَا رِجَالٌ رِجَالًا فَلَوْ اَنَّ الْبَاطِلَ خَلَصَ لَمْ یَخْفَ عَلٰی ذِیْ حِجًی وَلَوْ اَنَّ الْحَقَّ خَلَصَ لَمْ یَکُنِ اخْتِلَافٌ وَلٰکِنْ

يُؤْخَذُ مِنْ هٰذَا ضِغْثٌ وَمِنْ هٰذَا ضِغْثٌ فَيَمْزُجَانِ فَيَجِيْئَانِ مَعًا فَهُنَالِكَ اسْتَحْوَذَ الشَّيْطَانُ عَلٰى أَوْلِيَائِهِ وَنَجَى الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ الْحُسْنٰى "۔ [1]

امام محمد باقرؑ سے ایک معتبر حدیث میں نقل کیا گیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: اے لوگو فتنوں کے پیدا ہونے کی ابتدا خواہشاتِ نفس کی پیروی اور ان احکام و قوانین سے ہوتی ہے جن کی مدد سے بدعتیں رواج پاتی ہیں۔ ان فتنوں میں کتاب خدا کی مخالفت کی جاتی ہے اور کچھ لوگ دوسرے لوگوں پر حاکم و فرمانروا ہو جاتے ہیں۔ اگر باطل خالص رہتا تو صاحبان عقل کے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اسی طرح اگر حق خالص رہتا تو اختلاف نہ ہوتا لیکن ہوتا یہ ہے کہ تھوڑا سا حق اور تھوڑا سا باطل لے کر ملا دیا جاتا ہے اور حق و باطل دونوں لوگوں کے سامنے پیش کر دیے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان اپنے دوستوں پر مسلط

---

[1] اصول کافی ج ۱۔ باب البدع والرای۔ ص ۴۳

ہوجاتا ہے اور جن لوگوں نے اپنے خدا سے حسن و نیکی کی توفیق پائی ہے وہ نجات پا جاتے ہیں۔"

اس خطبہ میں حضرت علیؑ نے گمراہی کے دو سبب بیان کیے ہیں،

ایک خواہشات نفس کی پیروی،

دوسرے وہ احکام و قوانین جن سے بدعتیں پھیلتی ہیں۔ کیونکہ لوگوں کو جو چیز شک و شبہ میں ڈالتی ہے اور جس کی وجہ سے شیطان اپنے دوستوں پر غالب و مسلط ہوجاتا ہے وہ حق و باطل کا باہم مخلوط ہوجانا ہے۔ باطل کو حق کی صورت میں جلوہ دینا ہے اور نورِ حق کے سائے میں باطل کو لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانا ہے ــــــــــــ

یہی چیزیں فتنوں اور گمراہیوں کے پیدا ہونے کا سبب بنتی ہیں۔ ورنہ اگر باطل کو اس کی اصل صورت میں پیش کیا جائے تو صاحبانِ عقل میں سے بہت کم افراد اس کے گرد جمع ہوں۔

اگر ایک اسلامی معاشرہ میں خالص باطل لوگوں پر پیش کیا جائے اور مادی افکار و مخالفِ تعلیماتِ اسلامی نظریات کو اسلام کا لبادہ اڑھائے بغیر لوگوں پر پیش کیا جائے تو صاحبانِ عقل و خرد کے لیے خوف و وحشت کی بات نہیں ہے اور نہ اس میں اہلِ عقل کے لیے کوئی جذب و کشش ہوگی۔

لیکن ہوتا یہ ہے کہ باطل اصول کو اسلام کا لبادہ پہنا کر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اس میں چونکہ کشش ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ شیطان کے لیے موثر ہتھیار کا کام دیتا ہے۔

ب: ــــــ عَنْ اَبِی جَعْفَرٍ وَاَبِی عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِمَا السَّلَامُ

قَالَا: كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ سَبِيْلُهَا اِلَى النَّارِ۔"

"امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ دونوں فرماتے ہیں: ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا راستہ جہنم کی طرف جاتا ہے۔"

ج: ــــــ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِؐ اِذَا ظَهَرَتِ الْبِدَعُ فِي اُمَّتِيْ فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهٗ فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ۔" [1]

"رسولِ خداؐ نے فرمایا: میری امت میں جب بھی بدعت ظاہر ہو، عالم پر واجب ہے کہ اپنے علم کا اظہار کرے اور لوگوں کو اس بدعت سے آگاہ کرے اور جو ایسا نہ کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہو۔"

د: ــــــ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: اِنَّ عِنْدَ كُلِّ بِدْعَةٍ تَكُوْنُ مِنْ بَعْدِيْ يُكَادُ بِهَا الْاِيْمَانُ وَلِيًّا مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ مُوَكَّلًا بِهٖ يَذُبُّ عَنْهُ يَنْطِقُ بِاِلْهَامٍ مِنَ اللّٰهِ

[1] کافی ج ۱ باب البدع والرای۔ ص ۵۴، ۵۴

وَيُعْلِنُ الْحَقَّ وَيُنَوِّرُهُ وَيَرُدُّ كَيْدَ الْكَائِدِيْنَ يُعَبِّرُ عَنِ الضُّعَفَاءِ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ وَتَوَكَّلُوْا عَلَى اللّٰهِ "[1]

" اس معتبر حدیث میں رسولِ خدا فرماتے ہیں: میرے بعد ہر ایسی ظاہر ہونے والی بدعت کے ساتھ کہ جس کے جال میں ایمان گرفتار ہو جائے، میرے اہل بیتؑ میں سے ایک نہ ایک ایسا ولی و سرپرست ضرور ہوگا جو الہام خداوندی کے سہارے ایمان کی طرف سے دفاع کرے گا اور حق کو آشکار کرے گا اور اس کو روشن کرے گا، مکاروں کی مکاریوں کو دور کرے گا، مستضعفین کا ترجمان ہوگا لہٰذا اے اہل بصیرت عبرت حاصل کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو۔"

ہمارے زمانہ میں یہ حدیث امام خمینی رضوان اللہ علیہ پر منطبق ہے جنھوں نے بدعتوں کے ساتھ شدید جنگ کی ہے اور طاغوتیوں اور بدعتیوں کی ناک رگڑ دی ہے۔

چہارم: —— دین کو برباد کرنے والی چوتھی چیز دشمنوں کی طرف سے دین میں کمی کر دینا اور کاٹ چھانٹ کرنا ہے۔

یعنی جو چیز ان کی من پسند نہیں ہے، اس کو دین سے الگ

---

[1] کافی ج ۱ باب البدع والرای ص ۵۴

کر کے دین کا تعارف کراتے ہیں۔ جیسا کہ صدرِ اسلام سے اب تک یہ کوشش ہوتی چلی آرہی ہے کہ دین کو سیاست سے الگ رکھا جائے۔ اور اسلام کو صرف اخلاقی و عبادتی مسائل کے مجموعہ کے طور پر پیش کیا جائے۔

اب ان عوامل و اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے دیکھنا چاہیے کہ

کون سا ایسا طاقتور عامل ہے،

جو دین کو خراب کرنے والے اسباب کا قلع قمع کردے اور جو دین کو انسانی زندگی سے خارج نہ ہونے دے اور دین الٰہی کی جگہ مادی ادیان کو نہ لینے دے۔

امام علیہ السلام اس حدیث (حدیثِ علل و اسباب) میں دین و مذہب کی حفاظت کے لیے فرماتے ہیں کہ:

خدا کی طرف سے ایک حافظ و پاسدارِ دین کا ہونا ضروری ہے جو ان تمام مسائل کی روک تھام کرسکے اور بدعتوں کا مقابلہ کرسکے۔

یہ حدیث بھی اسی عقلی و وجدانی مسئلہ کو بیان کررہی ہے جس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے اور وجودِ امام کے لیے جو اسباب بیان کیے گئے ہیں وہ کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہر ہر زمانہ میں وجودِ رہبر کو ضروری بتاتے ہیں۔

(۲) ——— عَنْ عَلِيٍّؑ اَلْوَاجِبُ فِيْ حُكْمِ اللّٰهِ وَحُكْمِ الْاِسْلَامِ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ لَّا يَعْمَلُوْا عَمَلًا وَّلَا يُقَدِّمُوْا يَدًا وَّلَا رِجْلًا

قَبْلَ اَنْ یَخْتَارُوْا لِاَنْفُسِهِمْ اِمَامًا
عَفِیْفًا وَرِعًا عَارِفًا بِالْقَضَاءِ وَالسُّنَّةِ
یُجْبٰی فَیْئُهُمْ وَیُقِیْمُ حَجَّهُمْ
وَجُمُعَتَهُمْ وَیُجْبٰی صَدَقَاتِهِمْ[۱]

"حضرت علیؑ فرماتے ہیں: تمام مسلمانوں پر حکم خدا اور حکم اسلام کے مطابق واجب ہے کہ جب تک اپنے لیے ایک ایسا امام (ورہبر) منتخب نہ کرلیں جو پاک دامن، متقی، احکام ومسائل قضائی اور سنت رسولؐ کا جاننے والا، ان کے لیے اموال عمومی کو جمع کرنے والا، اور صدقات کا اکٹھا کرنے والا، حج وجمعہ وجماعت کا قائم کرنے والا ہو اس وقت تک نہ تو کوئی عمل انجام دیں نہ کسی کام کی طرف ہاتھ بڑھائیں اور نہ کسی مسئلہ کی طرف قدم اٹھائیں۔"

اس حدیث میں امامت وولایت کے کل معیاروں کو بیان کیا گیا ہے اور مسلمانوں پر واجب قرار دیا گیا ہے کہ،

ایک ایسے رہبر کو منتخب کریں

جو مذکورہ بالا صفات کا حامل ہو ——— اور یہ بات کسی زمانہ کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں لازم ہے اور یہ بعنوان وظیفہ

۱؎ بحار - ج ۸۹ - ص ۱۹۶

الٰہی ہے۔

(۳) ------ عَنِ الْبَاقِرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: لَاُعَذِّبَنَّ كُلَّ رَعِيَّةٍ فِي الْاِسْلَامِ دَانَتْ بِوِلَايَةِ كُلِّ اِمَامٍ جَائِرٍ لَيْسَ مِنَ اللّٰهِ وَاِنْ كَانَتِ الرَّعِيَّةُ فِي اَعْمَالِهَا بَرَّةً تَقِيَّةً وَلَاَعْفُوَنَّ عَنْ كُلِّ رَعِيَّةٍ فِي الْاِسْلَامِ دَانَتْ بِوِلَايَةِ كُلِّ اِمَامٍ عَادِلٍ مِنَ اللّٰهِ وَاِنْ كَانَتِ الرَّعِيَّةُ فِي اَنْفُسِهَا ظَالِمَةً مُسِيْئَةً"۔ ؎

"امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند عالم نے فرمایا: میں یقیناً ان تمام لوگوں کو عذاب میں مبتلا کروں گا جو اس امام ظالم کی ولایت کو قبول کرے جو خدا کی طرف سے نہیں ہے اور اس کی اطاعت کرے چاہے وہ لوگ نیک و پرہیزگار ہوں اور یقیناً اس رعیت کو معاف کردوں گا جو

؎ کافی ج ۱ ص ۳۷۶ - نقل از الحیاۃ ص ۳۴۷

امام عادل کی ولایت و سرپرستی میں ہو اور اس کی اطاعت کرتی ہو اور وہ امام خدا کی طرف سے ہو چاہے وہ رعیت اپنے شخصی اعمال میں گناہ گار و خطا کار ہو اور ظالم ہو۔

یہ روایت بھی اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کا فریضہ ہے کہ عادل رہبر کے ذریعہ حکومت عدل الٰہی کو قائم کریں جو خدا کی طرف سے ہو اور غیر الٰہی حکومتوں کو کسی قیمت پر تسلیم نہ کریں۔

(۴) ——— لَا یُصْلِحُ النَّاسُ اِلَّا بِاِمَامٍ وَّلَا تَصْلُحُ الْاَرْضُ اِلَّا بِذَاکَ "۔ [۱]

"لوگ صالح نہیں ہوتے مگر امام کے بغیر اور زمین کی اصلاح نہیں ہوتی مگر اسی امام کے ذریعہ۔

(۵) ——— لَا یُصْلِحُ الْحُکْمُ وَلَا الْحُدُوْدُ وَ لَا الْجُمُعَةُ اِلَّا بِاِمَامٍ عَدْلٍ "۔ [۲]

"لوگوں کے درمیان حکومت اور نہ حدود اور نہ جمعہ ان میں سے کسی کی اصلاح امامِ عادل کے بغیر نہیں ہو سکتی"

---

[۱] بحار ج ۲۳ ص ۲۲ عن علل الشرائع [۲] بحار ج ۸۹ ص ۲۵۶

حکومتِ اسلامی کا مقصد

مقصد کے اعتبار سے حکومت کی اقسام

دنیا میں مقصد کے اعتبار سے تین قسم کی حکومتیں پائی جاتی ہیں:

(۱) شاہی حکومت

اس حکومت میں بادشاہ اور اس کے مخصوص افراد کی خواہشات کی تکمیل مقصود ہوتی ہے۔ اس حکومت کا سارا زور ایک یا چند افراد کی خواہشات کی تکمیل ہے یا ان لوگوں کی خواہشات کی تکمیل پر ہوتا ہے جو حکومت کے کارندے ہیں۔

اس نظام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکومت صرف دولتمندوں کا حق ہے اس نظام میں حکومت ذریعہ نہیں، مقصد ہوا کرتی ہے۔

اس حکومت کی نظر میں عوام اور رعایا کی خواہش کی کوئی اہمیت

نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کے حقوق اور مصلحتیں بھی بے قیمت ہوا کرتی ہیں۔

حق وہی ہے جو ــــــــ

حاکم یا حکمراں جماعت چاہے۔

اور باطل وہ ہے جس کو حکومت ناپسند کرے۔

تمام استبدادی حکومتیں اسی قسم میں شامل ہیں۔

② جمہوری حکومت

اس حکومت کا مقصد عوام کی خواہشات کی تکمیل ہے۔

لیکن چونکہ تمام عوام کی خواہشات ایک جیسی نہیں ہوتیں اس لیے اس میں معیار اکثریت کو رکھا گیا ہے کہ ــــــــ

نصف سے ایک رائے بھی زیادہ ہو جائے تو اکثریت ہوگی، اور ایک بھی کم ہو جائے تو اکثریت نہیں رہی۔

(خواہ اکثریت باشندوں کے اعتبار سے ہو یا ووٹروں کے اعتبار سے۔ مثلاً باشندے دس لاکھ ہیں مگر ووٹر صرف ایک لاکھ ہیں)

اس حکومت کا کوئی نظریہ نہیں ہوتا کہ جس پر اعتماد و بھروسہ کیا جا سکے اور وہی حق و باطل کا معیار ہو۔ بلکہ حکومت کا فریضہ عوام کی خواہشات کے مطابق عمل کرنا ہے، چاہے عوام کی خواہشات خود ان افراد کی مصلحت کے خلاف ہوں جو حکومت کر رہے ہیں، پھر بھی ان کو عوام کی خواہشات کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔

اس قسم کی حکومت میں ــــــــ

حق و باطل، اچھے برے، مصلحت و مفسدہ کا دارومدار، اکثریت کی خواہش ہے۔ حق وہ ہے جس کی اکثریت موافق ہو اور باطل وہ ہے

جس کی اکثریت مخالف ہو۔

اگر عوام، علمی، مادی، صنعتی ترقی چاہتے ہیں تو حکومت کو وہی کرنا ہوگا۔

اگر عوام عیاشی و بیہودہ سرائی، عیش و نوش کے خواہش مند ہیں تو حکومت ان کی خواہشات پر عمل کرنے کے لیے مجبور ہے اور ذرائع ابلاغ ان ہی چیزوں کی ترجمانی کریں گے۔

(۳) اسلامی حکومت

اس حکومت کا مقصد، ملت کے مصالح و منافع کی حفاظت اور حق و عدالت کا قیام ہے۔ اس حکومت میں عین ممکن ہے کہ بہت سے ایسے مسائل در پیش ہوں جو عوام کی خواہشات کے برعکس ہوں۔

آسمانی و الٰہی حکومتیں اسی تیسری قسم میں آتی ہیں، کیونکہ پورا نظام حکومت اور معاشرہ پر حاکم قانون ــــــــــــ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔

اس لیے اس میں فطری طور سے عوام کے مادی، معنوی، فردی، اجتماعی، دُنیوی، اُخروی مسائل و مصالح پیش نظر ہوتے ہیں اور خدا کے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں جو انسان کے واقعی مصالح کی تشخیص کر سکے،

یہ کام صرف وہی کر سکتا ہے ــــــــــــ

جو عالم و حکیم ہو ــــــــ انسان کا خالق ہو ــــــــ

اور انسان کو کمال و سعادت کی طرف ہدایت کرنے والا ہو ــــــــ جو یہ جانتا ہو کہ کون سی راہ بہتر ہے ــــ اور ــــ اصلی مقصد تک پہنچانے والی ہے اور مقصدِ خلقت تک رہنمائی کرنے والی ہے۔

لہٰذا اسلامی حکومت کا مقصد نہ تو ایک یا کئی افراد کی ذاتی خواہشات کی تکمیل کرنا ہے اور نہ ہی عوام کی ناجائز خواہشات و بے حساب مطالبات کو پورا کرنا ہے۔

اس حکومت کا مقصد ——————

معاشرہ کے واقعی مصالح اور حقیقی ضرورتوں کی حفاظت و تکمیل ہے۔

جس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ——————

اسلامی حکومت کا مقصد قوانین و ضوابطِ اسلامی کی بنیاد پر عدل و انصاف کا قیام اور خدا کی جانب لے جانے کے لیے انسان کی تربیت کرنا ہے۔

ظاہر ہے ایسی حکومت و منصب محض ایک وسیلہ ہے۔ نہ تو حکمرانی بجائے خود مقصد ہے اور نہ ایسا منصب جس سے فائدہ یا ناجائز فائدہ اٹھایا جائے۔

ابن عباس کہتے ہیں:

"ذی قار (جنگ جمل میں بصرہ جاتے وقت ایک جگہ کا نام جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا) میں حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا آپؑ اپنے ہاتھوں سے اپنی پرانی جوتی کو ٹانک رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی پوچھا: اس جوتی کی کیا قیمت ہے؟ میں نے عرض کیا: اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ تو حضرت نے فرمایا: اگر میں اقامہ حق اور دفع باطل نہ کر سکوں تو تمھاری حکومت سے زیادہ مجھے یہ جوتی محبوب ہے۔"[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؑ کی نظر میں حکومت کی کیا حیثیت تھی۔ آپؑ صرف اس حکومت کو پسند فرماتے تھے جو اقامہ عدل و ملت کے احقاق

---

[1] نہج البلاغۃ۔ خطبہ ۳۳ ص ۷۶ طبع بیروت

حقوق کے لیے ذریعہ وسبب ہو۔

ہم یہاں چند آیات اور احادیث سے حکومتِ اسلامی کے مقصد کی وضاحت کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) —— لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ [۱]

"ہم نے اپنے رسولوں کو دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب و میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل کے لیے قیام کریں۔"

یہاں میزان سے مراد دین والٰہی قوانین ہیں جن پر انسانوں کے اعمال وعقائد تولے جائیں گے۔

اس آیت میں بعثت انبیاء کا مقصد اور نزول کتب اور ادیان آسمانی کا مقصد عدل کا قیام قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو حکومت انبیاء و رسولوں کے بعد ان کی حکومت کا دوام چاہتی ہے، اس کو انہی حضرات کے مقصد کے مطابق کام کرنا چاہیے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ

ولایتِ فقیہ کا مقصد دوام امامت اور امامت کا مقصد دوامِ رسالت و نبوت ہے لہٰذا حکومتِ فقیہ کا مقصد بھی عدل کا قیام ہونا چاہیے ——!

---

[۱] سورۂ حدید ۵۷ آیت ۲۵

(۲) ——— "یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ۔"[۱]

"اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے پس تم لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔"

اس آیت میں بھی خلافتِ داؤد کا مقصد حق و انصاف کے ساتھ حکومت کرنا بتایا گیا ہے۔

(۳) ——— "هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔"[۲]

اس آیت میں اور اس سے مشابہ دیگر آیات میں جیسے کہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۹ اور ۱۵۱، سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۴، ان سب میں پیغمبر اسلام کی بعثت کا مقصد تزکیۂ نفوس اور کتاب و حکمت کی تعلیم کو بتایا گیا ہے ———!

تزکیہ کا مطلب، انسانوں کی فکری و اخلاقی اعتبار سے ہدایت اور اس

---

۱ سورۂ ص ۳۸ - آیت ۲۶

۲ سورۂ جمعہ ۶۲ - آیت ۲

طرح کی تربیت جس سے انسانی استعداد واخلاقی فضائل بلند وعمدہ ہو جائیں اور يَاۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ ...الخ [۱] کا مفہوم و معنی جامۂ عمل پہن لے۔

اور تعلیم کتاب کا مطلب انسانوں کو کتابِ آسمانی کے بلند و عالی مفاہیم سے آگاہ کرنا ہے۔

اور تعلیم حکمت کا مقصد جہاں بینی الٰہی اور ہستی کے واقعیات کا بیان کرنا اور سکھانا ہے۔

سابقہ آیات کی طرف توجہ کرتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حکومتِ انبیاء کا مقصد عدل کا قیام بھی تھا اور انسانوں کی تعلیم اور ان کو خدا اور کائنات کی حقیقت کی طرف متوجہ کرنا بھی۔

اور یقینی طور پر امام یا فقیہ کی حکومت انہی مقاصد کے حصول و دوام کے لیے ہوتی ہے۔

(۴) ـــــــ حضرت علیؑ نے نہج البلاغۃ میں کچھ واجب و حرام اعمال اور عقائد کے فلسفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امامت کے مسئلہ میں فرمایا ہے:

"وَالْاِمَامَةَ نِظَامًا لِلْاُمَّةِ" [۲]

یعنی امت کے اندر نظم کو باقی رکھنے کے لیے امامت کو واجب و لازم قرار دیا گیا ہے۔

---

[۱] سورۂ انشقاق ۸۴ - آیت ۶

[۲] نہج البلاغۃ حکمت ۲۵۲

⑤ ـــــــ کوفیوں کے مسلسل خطوط کے جواب میں امام حسینؑ نے جو خط تحریر فرمایا ہے اس کے آخر میں فرماتے ہیں:

"فَلَعَمْرِیْ مَا الْاِمَامُ اِلَّا الْحَاکِمُ بِالْکِتَابِ الْقَائِمُ بِالْقِسْطِ الدَّائِنُ بِدِیْنِ الْحَقِّ الْحَابِسُ نَفْسَهُ عَلٰی ذٰلِكَ لِلّٰهِ۔"

"مجھے اپنی جان کی قسم امام صرف وہ ہے جو حاکم بکتاب ہو، قائم بعدل وقسط ہو، دین حق پر عمل کرنے والا ہو (یعنی دین حق کو قائم کرنے والا ہو) خدا کے لیے اپنے کو ان امور کے انجام دینے پر پابند بنائے۔"

اس خط میں امامؑ نے امام کی صفات بیان فرمائی ہیں کہ کتاب خدا کے مطابق حکم کرنے والا، عادل، دین حق کو عمل کرنے والا ہو، امامت کے یہی مقاصد امام کی پہچان قرار دیے ہیں ـــــــ

تاکہ اگر کسی حکومت کے یہ مقاصد نہ ہوں تو اس کا حاکم و رہبر امام برحق نہیں ہے۔ آخری جملہ میں وضاحت فرما دی کہ

یہ سب صرف خدا کے لیے ہو،

اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے نہ ہو۔ یعنی اس کا کوئی اقدام کوئی حرکت کسی اور کے لیے نہیں ہوتی اور اس کا کوئی قدم غیر خدا کے راستہ میں نہیں اٹھتا۔

امام اور ولی امر کی شرائط وصفات

حاکم و ولی امر کے لیے جن صفات کا ہونا ضروری ہے وہ حکومت اور

اسس کے مقاصد سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔

بایں معنی کہ ان مقاصد کا عملی ہونا اور حکومت کا ان مقاصد تک پہنچنا ان ہی صفات پر موقوف ہے اور یہ صفات وہی کلی وعمومی معیار ہیں جو زمانۂ غیبت میں حاکم وفقیہ کے لیے معین کیے گئے ہیں۔

ہم اجمالاً ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کی دلیلوں کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں:

① اجتہاد

یعنی اس کے لیے ضروری ہے کہ مسائل واحکام اسلامی کو کتاب وسنت سے اس کے مخصوص معیار کے مطابق استنباط کر سکے۔ اور اسلام کی شناخت میں دوسروں کا مقلد نہ ہو ——————

یعنی مسائل اسلامی میں صاحب نظر اور مجتہد وفقیہ ہو۔

اس شرط کا ضروری ہونا نوع حکومت یعنی قانون کی حکومت اور قانون بھی جو آسمانی ہو اور وحی الٰہی پر موقوف ہو اور جس سے استنباط کرنے اور مسائل کو حاصل کرنے کے لیے ایک مخصوص طریقہ ہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے واضح ہے۔

مختصر طریقہ سے یہ سمجھ لیجیے کہ ——————

حکومت اسلامی کے سربراہ کو مکمل طور سے اسلامی قانون کا عالم ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی اس خصوصیت کی بنا پر الٰہی قوانین کو مملکت کے قوای حاکمہ د قوای مجریہ کے اختیار میں دے سکے اور اجتماعی مسائل میں اسلامی قوانین کی شناخت میں اس کی رائے معیار ہو۔ اس مطلب کو آیت ذیل وروایات غدیر سے استفادہ

کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ——— "اَفَمَنْ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ" ۔ [۱]

"کیا جو شخص حق کی طرف ہدایت کرتا ہے اس کی پیروی زیادہ بہتر ہے یا اُس کی جو خود ہدایت کا محتاج ہے؟ آخر تم لوگ کیسا حکم کرتے ہو؟"

اس آیت میں قرآن نے لوگوں کے ضمیر کو پکارا ہے اور فیصلہ بھی اسی پر چھوڑ دیا ہے کیونکہ ہر باضمیر و باشعور فرد کا یہی فیصلہ ہوگا کہ انھیں لوگوں کی پیروی درست ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔

یعنی جو حق کو مکمل طریقہ سے پہچانتے ہیں اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتے ہیں اور معاشرہ کو حق کی طرف لے جاتے ہیں اور جو خود ہی محتاج ہدایت ہو، اس کی اطاعت قطعاً مناسب نہیں ہے۔

اس لیے جو شخص بھی حکومت اسلامی کا سربراہ ہو اور تمام لوگ بحکم اسلام اس کی پیروی کرتے ہوں اس کو حق کی شناخت اور مسائل اسلامی کی پہچان میں دوسروں کا محتاج نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) ——— حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ:

---

[۱] سورۂ یونس ۱۰ - آیت ۳۵

"یَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِیْنَ لَنَحْنُ اَحَقُّ النَّاسِ بِهٖ لِاَنَّا اَهْلُ الْبَیْتِ وَنَحْنُ اَحَقُّ بِهٰذَا الْاَمْرِ مِنْكُمْ مَا كَانَ فِیْنَا الْقَارِیْ لِكِتَابِ اللّٰهِ الْفَقِیْهُ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ الْعَالِمُ بِسُنَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ الْمُضْطَلِعُ بِاَمْرِ الرَّعِیَّةِ الْمُدَافِعُ عَنْهُمُ الْاُمُوْرَ السَّیِّئَةِ الْقَاسِمُ بَیْنَهُمْ بِالسَّوِیَّةِ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَفِیْنَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰی فَتَضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَزْدَادُوْا مِنَ الْحَقِّ بُعْدًا۔"[1]

"اے گروہ مہاجرین وانصار! بہ تحقیق ہم اہل بیت ہیں اور جب تک ہمارے درمیان کتاب خدا کا قاری، دینِ خدا کا فقیہ، سنتِ رسولؐ کا عالم، امورِ رعیت میں مضبوط،

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۲

رعایا سے بڑے امور کا دفع کرنے والا، ان کے درمیان اموال
کا برابر تقسیم کرنے والا موجود ہو اس وقت تک ہم تم لوگوں سے
زیادہ حکومت کے مستحق و سزاوار ہیں اور خدا کی قسم ہم میں ایسے
افراد موجود ہیں لہٰذا تم لوگ اپنی خواہشات کی پیروی مت
کرو ورنہ راہِ خدا سے دور ہو جاؤ گے اور راہ حق سے بہت ہی
دور ہوتے چلے جاؤ گے۔"

اس خطبہ میں امامؑ نے حکومتِ اسلامی کے سربراہ کے لیے کتاب و
سنت و فقہ کے علم کو اوّلین شرط قرار دیا ہے۔

③ ——— نہج البلاغۃ کے خطبہ ۱۳۲ میں امیر المومنینؑ سے منقول ہے:

"وَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنَّهُ لَا يَنْبَغِي اَنْ
يَكُونَ الْوَالِيَ عَلَى الْفُرُوجِ وَالدِّمَاءِ
وَالْمَغَانِمِ وَالْاَحْكَامِ وَاِمَامَةِ
الْمُسْلِمِينَ الْبَخِيلُ فَيَكُونَ فِي
اَمْوَالِهِمْ نَهْمَتُهُ وَلَا الْجَاهِلُ
فَيُضِلَّهُمْ بِجَهْلِهِ"

"جو شخص مسلمانوں کی ناموس و جان و مال و احکام اور امامت
کا والی ہو اس کو نہ تو بخیل ہونا چاہیے ورنہ اموال اور بیت المال

عمومی کا مخلص ہوگا۔ اور نہ جاہل ہونا چاہیے، ورنہ وہ اپنی جہالت و نادانی سے مسلمانوں کو گمراہ کر دے گا۔

④ —— نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۳ میں منقول ہے:

"اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اَحَقَّ النَّاسِ بِھٰذَا الْاَمْرِ اَقْوَاھُمْ عَلَیْہِ وَاَعْلَمُھُمْ بِاَمْرِ اللّٰہِ فِیْہِ"

"اے لوگو حکومت کے لیے سب سے زیادہ سزاوار وہ شخص ہے جو تم میں حکومت چلانے کے سلسلہ میں سب سے زیادہ قوی ہو اور حکومت کے معاملہ میں احکام خدا کا سب سے زیادہ اعلم ہو۔"

اس خطبہ میں معصوم نے حاکم کی شرائط میں احکام و فرامین الٰہی کے اعلم ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

⑤ —— عمر بن حنظلہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امامؑ نے فرمایا:

"یَنْظُرَانِ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مِمَّنْ قَدْ رَوٰی حَدِیْثَنَا وَنَظَرَ فِیْ حَلَالِنَا وَحَرَامِنَا وَعَرَفَ اَحْکَامَنَا

فَلْيَرْضَوْا بِهِ حَكَمًا فَإِنِّي قَدْ جَعَلْتُهُ عَلَيْكُمْ حَاكِمًا فَإِذَا حَكَمَ بِحُكْمِنَا فَلَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ فَإِنَّمَا اسْتَخَفَّ بِحُكْمِ اللَّهِ" [۱]

اس روایت کے پہلے حصہ میں امام سے اس بارے میں سوال ہوا کہ

"دو افراد کسی مسئلہ میں نزاع واختلاف کا شکار ہوئے ہیں اور اس نزاع و جھگڑے کا فیصلہ بادشاہ یا اس قاضی سے کراتے ہیں جو بادشاہ کی طرف سے معین کیا گیا ہے"

امام نے اس مسئلہ میں بادشاہ اور اس کے مقرر کردہ قاضی سے رجوع کرنے کی مذمت کے بعد فرمایا:

"وہ دو افراد جو اختلاف رکھتے ہیں، اپنے امور میں تصفیہ کے لیے اپنے میں سے کسی ایسے فرد کا انتخاب کریں جو درج ذیل خصوصیات کا حامل ہو:

(۱) ——— ہماری حدیثوں کی روایت کرنے والا ہو۔ یعنی منابع فقہ اسلامی میں جو سب سے زیادہ اہم ہے یعنی ائمہ معصومینؑ کی احادیث، ان سے واقفیت رکھتا ہو۔

(۲) ——— ہمارے حلال وحرام میں، اہل رائے اور صاحب نظر ہو، یعنی

---

[۱] وسائل ج ۱۸، باب ۱۱ ص ۹۹ روایت ۱۔

احکامِ شرعی کے استنباط کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(۳) ——— احکام کا عارف ہو یعنی احکامِ اسلامی کو اہلِ بیتؑ کے نظریہ کے مطابق مکمل طور سے جانتا ہو۔ ایسے شخص کو حاکم بناؤ کیونکہ ہم نے اس کو تم لوگوں پر حاکم قرار دیا ہے۔ اب اگر وہ حاکم کوئی حکم کرے اور لوگ اس کو تسلیم نہ کریں تو یہ اس کی توہین نہیں ہے بلکہ، امرِ الٰہی کی توہین ہے۔

(۶) ——— تحف العقول میں امام حسین علیہ السلام کا ایک مشہور خطبہ ہے جس کو امام نے معاویہ کی آخری عمر میں منیٰ کے اندر ارشاد فرمایا تھا۔

"وَاَنْتُمْ اَعْظَمُ النَّاسِ مُصِيْبَةً لِمَا غَلَبْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ مَنَازِلِ الْعُلَمَاءِ لَوْكُنْتُمْ تَسْعُوْنَ ذٰلِكَ بِاَنَّ مَجَارِي الْاُمُوْرِ وَالْاَحْكَامِ عَلٰى اَيْدِي الْعُلَمَاءِ بِاللهِ الْاُمَنَاءِ عَلٰى حَلَالِهِ وَحَرَامِهِ فَاَنْتُمُ الْمَسْلُوْبُوْنَ تِلْكَ الْمَنْزِلَةَ وَمَا سُلِبْتُمْ ذٰلِكَ اِلَّا بِتَفَرُّقِكُمْ عَنِ الْحَقِّ وَاخْتِلَافِكُمْ فِي السُّنَّةِ

بَعْدَ الْبَيِّنَةِ الْوَاضِحَةِ وَلَوْ صَبَرْتُمْ
عَلَى الْاَذٰى وَتَحَمَّلْتُمُ الْمَؤُوْنَةَ
فِي ذَاتِ اللّٰهِ كَانَتْ اُمُوْرُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
تَرِدُ وَعَنْكُمْ تَصْدُرُ وَاِلَيْكُمْ تَرْجِعُ
وَلٰكِنَّكُمْ مَكَّنْتُمُ الظَّلَمَةَ مِنْ
مَنْزِلَتِكُمْ وَاَسْلَمْتُمْ اُمُوْرَ اللّٰهِ
فِي اَيْدِيْهِمْ يَعْمَلُوْنَ بِالشُّبُهَاتِ
وَيَسِيْرُوْنَ فِي الشَّهَوَاتِ سَلَّطَهُمْ
عَلٰى ذٰلِكَ فِرَارُكُمْ مِنَ الْمَوْتِ
وَاِعْجَابُكُمْ بِالْحَيَاةِ الَّتِيْ هِيَ
مُفَارِقَتُكُمْ۔" [۱]

"تم لوگوں کی مصیبت تمام لوگوں سے بڑی ہے کیونکہ تم
سے مقام علماء چھین لیا گیا ہے۔ چونکہ احکام و امور کا اجراء
ان علماء و روحانی دانشمندوں کے ہاتھوں ہونا چاہیے

---

[۱] تحف العقول، باب ماروی عن الحسینؑ بن علیؑ ص ۱۷۲

جو حلال و حرام خدا پر امین ہیں لیکن یہ مقام تم سے لے لیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگ حق سے ہٹ گئے ہو اور سنت رسولؐ میں اختلاف کرتے ہو حالانکہ واضح دلیلیں ان پر موجود ہیں۔ اگر تم لوگ تکلیفوں کو برداشت کر لیتے اور راہ خدا میں ناپسندیدہ چیزوں کو برداشت کر لیتے تو تمام احکامِ الٰہی تم پر پیش ہوتے اور تمھارے ذریعہ ان کا نفاذ ہوتا (یعنی حکومت تمھارے ہاتھوں میں ہوتی) اور تم ہی تمام امور کے مرجع و ماویٰ بنتے۔ لیکن تم نے خود ہی ظالموں کو موقع دیا تاکہ وہ تم سے اس جگہ کو چھین لیں۔ تم نے امورِ الٰہی کو ان کے ہاتھوں میں دے دیا تاکہ وہ اٹکل سے کام لیں اور جو چاہیں وہ کریں۔ ان کے تسلّط کا باعث یہ ہوا کہ تم نے موت سے راہِ فرار اختیار کی اور اس زندگی سے وابستہ ہو گئے جو ہر حال میں تم سے جدا ہونے والی ہے۔"

اس حدیث سے باقاعدہ یہ بات واضح ہو گئی کہ معاشرہ کے تمام امور کو علماء کے ہاتھ میں ہونا چاہیے اور علماءِ اسلام امور کا اجراء کریں اور سب چیزیں ان کے ہاتھ میں آجائیں۔

② عدالت و تقویٰ

یہ بات ثابت کی جا چکی کہ حکومت اسلامی کا اہم ترین مقصد معاشرہ کے اندر قانون و عدالت کا اجراء اور فضیلت و تقویٰ کی ایجاد اور لوگوں کو خدا کی طرف متوجہ کرنا اور اسلامی اخلاق و آداب سے ان کی تربیت کرنا ہے۔

اور یہ بات بھی اپنی جگہ پر مسلّم و ثابت ہے کہ لوگوں کے اخلاقیات پر حکومت اور خصوصاً حاکم کا اثر سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

خود آنحضرت ص کا ارشادِ گرامی ہے:

"اَلنَّاسُ بِاُمَرَائِهِمْ اَشْبَهُ بِآبَائِهِمْ"

"(از روئے اخلاق) لوگ اپنے حکام سے بہ نسبت اپنے آباء کے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔"

یعنی لوگ جو اپنے حکام سے اخلاق مشابہت پیدا کرتے ہیں وہ اپنے آباء کی اخلاقی مشابہت سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ خاندانی تربیت کا اثر اتنا نہیں ہوتا جتنا حکومت کا ہوتا ہے۔

معاویہ سے جنگ کرنے کے لیے جب حضرت علی ع شام کی طرف جا رہے تھے تو ارشاد فرمایا:

"اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا اِمَامَكُمْ فَاِنَّ الرَّعِيَّةَ الصَّالِحَةَ تَنْجُوْ بِالْاِمَامِ الْعَادِلِ اَلَا وَاِنَّ الرَّعِيَّةَ الْفَاجِرَةَ تَهْلِكُ بِالْاِمَامِ الْفَاجِرِ۔"[1]

"اے لوگو متقی بنو اور اپنے امام کی اطاعت کرو کیونکہ نیک رعایا اپنے عادل امام کی وجہ سے نجات پاتی ہے۔ اور آگاہ

---

[1] بحار ج ۸ (طبع کمپانی) بنقل از الحیاۃ ج ۲

ہو جاؤ کہ بدکار رعایا اپنے بدکار امام کی وجہ سے ہلاک ہو جاتی ہے۔"

اس خطبہ میں امامؑ نے نیک رعایا اور امام عادل اور بدکار رعایا اور امام فاجر کے درمیان براہ راست رابطہ کا ذکر فرمایا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام عادل امت کی نجات اور امام فاجر و فاسق امت کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے۔

اس لیے اجرائے عدالت کی خاطر اور فضیلت و تقویٰ پر مشتمل معاشرہ ایجاد کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ ـــــــــ

ملت کا سربراہ ایک ایسے موزوں فرد کو ہونا چاہیئے ـــــــ

جو پرہیزگار ہو اور جس کی رفتار و گفتار ؛

رعایا کے لیے نمونہ ہو ، اور جو معاشرہ کو اسلامی و اخلاق فضائل سے آراستہ کر سکے ۔ انحراف ، خیانت ، ظلم ، تعدی ، مشرق و مغرب کی طرف رجحان کو روک سکے ۔ حافظ قانون ہو اور عدالت کا اجرار کر سکے اور ملک پر حکومت کرنے والوں کو اسلامی خط مستقیم سے منحرف نہ ہونے دے ۔

سربراہ حکومت اگر ذاتی طور پر اخلاق اور تقویٰ کا حامل نہ ہوگا تو وہ دوسروں کے اخلاق و فضیلت کی تعمیر نہیں کر سکے گا ۔ اور قانون کی حفاظت بھی نہ کر سکے گا ' نہ عدالت کا اجرار کو پائے گا ۔

اور اگر خدانخواستہ سربراہ حکومت غیر متقی اور آلودہ بگناہ ہوگا تب تو ملت کا خدا ہی حافظ ہے ۔

اس مطلب کی وضاحت کے لیے چند آیات و احادیث کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں ۔

(۱) ـــــــ " وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ

فَاَتَمَّهُنَّ ۚ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۔" [1]

"جب ابراہیمؑ کو عہدہ امامت دیا گیا تو ابراہیمؑ نے سوال کیا کیا میری اولاد میں سے بھی کسی کو یہ عہدہ ملے گا؟ جواب آیا ظالمین کو میرا عہد نہیں پہنچے گا۔"

یعنی امت کی امامت و رہبری ایک ایسا الٰہی عہدہ ہے جو ظالم لوگوں کو کبھی بھی نہیں دیا جائے گا۔ البتہ عادل و متقی و موزوں افراد ہی اس کے عہدہ دار ہو سکتے ہیں۔

اس آیت سے مندرجہ ذیل معنی و مفاہیم واضح ہوتے ہیں:

(۱) ——— امامت عہد الٰہی ہے اور تعیین و تقرر امام خدا کی طرف سے ہوتا ہے جیسا کہ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا سے ظاہر ہے۔ اسی طرح جناب ابراہیمؑ کا سوال کہ کیا میری اولاد کو بھی یہ عہدہ ملے گا؟ اور اس کا جواب کہ میرا عہد ظالمین تک نہیں پہنچے گا' سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نصب امام خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔

(۲) ——— امامت، نبوت و رسالت سے الگ چیز ہے، اسی لیے جناب ابراہیمؑ پیغمبر و رسول ہونے کے بعد اس منصب پر فائز کیے گئے

---

[1] سورۂ بقرہ ۲- آیت ۱۲۴

جس طرح کہ اِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ [1]
سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیمؑ کو آزمائشوں میں کامیابی کے بعد
ہی عہدۂ امامت پر سرفراز کیا گیا ہے۔ مثلاً آگ میں
ڈالنے اور جنابِ ھاجرہ کو اور جنابِ اسمٰعیلؑ کو سرزمینِ
حجاز میں منتقل کرنے اور ذبحِ اسمٰعیلؑ پر آمادہ ہوجانے
وغیرہ کے بعد جب ابراہیمؑ تمام آزمائشوں میں کامیاب
ہوگئے یا تعبیرِ آیت کے مطابق کہ ان تمام امور کو انجام دے
دیا تب امام ہوئے۔ یہ تمام حوادث ابراہیمؑ کی رسالت کے
بعد کے تھے۔ لہٰذا ابراہیمؑ رسالت کے عہدے پر سرفراز
ہونے کے بعد ان آزمائشوں میں مبتلا کیے گئے اور جب اس میں
کامیاب ہوگئے تو عہدۂ امامت ملا۔

اس کے علاوہ جب ابراہیمؑ نے اولاد کے بارے میں سوال کیا
کہ کیا میری اولاد میں سے بھی کسی کو یہ عہدہ ملے گا؟ تو اس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ نے یہ سوال اس وقت کیا تھا جب وہ
صاحبِ اولاد ہوچکے تھے اور ابراہیمؑ بڑھاپے میں صاحبِ
اولاد ہوئے تھے جیسا کہ قرآن نے اسحاق کی ولادت کی خوشخبری
کے موقع پر ذکر کیا ہے کہ ملائکہ نے جب آکر اولاد کی خوشخبری
دی تو جنابِ ابراہیمؑ کی بیوی نے بڑے تعجب سے کہا:

"ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا" [2]

---

[2] سورۂ ھود ۱۱ - آیت ۷۲

"ارے کیا اب میرے اولاد ہوگی جبکہ میں بڑھیا ہوگئی ہوں اور میرا شوہر بھی بوڑھا ہوچکا ہے۔؟"

نتیجہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کو رسالت و نبوت جوانی ہی میں مل چکی تھی، امامت جب ملی تو وہ صاحبِ اولاد ہوچکے تھے اور ابراہیمؑ بڑھاپے میں صاحبِ اولاد ہوئے تھے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ امامت، نبوت و رسالت سے الگ عہدہ ہے۔

(۳) اگرچہ یہ آیت اس امامت سے متعلق ہے جو چند انبیاء اور ائمہ معصومین کے لیے مخصوص ہے پھر بھی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رہبری و امامت کسی ظالم و غیر عادل شخص کو نہیں ملے گی چاہے وہ نائب امام ہی ہو۔ اور یہ بات واضح ہے کہ ولایت فقیہ "امام معصوم کی نیابت کا نام ہے اور یہ عہدِ الٰہی یعنی رہبری، امام معصوم کے واسطے سے فقیہ عادل کو دی جاتی ہے۔

(۴) نہج البلاغۃ خطبہ ۱۳۱ میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنَّهُ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَکُوْنَ الْوَالِیْ عَلَی الْفُرُوْجِ وَالدِّمَاءِ وَالْمَغَانِمِ وَالْاَحْکَامِ وَاِمَامَةِ

الْمُسْلِمِيْنَ الْبَخِيْلُ فَيَكُوْنُ فِيْ اَمْوَالِهِمْ نَهْمَتُهٗ وَلَا الْجَاهِلُ فَيُضِلَّهُمْ بِجَهْلِهٖ وَلَا الْجَافِيْ فَيَقْطَعَهُمْ بِجَفَائِهٖ وَلَا الْخَائِفُ لِلدُّوَلِ فَيَتَّخِذُ قَوْمًا دُوْنَ قَوْمٍ وَلَا الْمُرْتَشِيْ فِي الْحُكْمِ فَيَذْهَبَ بِالْحُقُوْقِ وَيَقِفَ بِهَا دُوْنَ الْمَقَاطِعِ وَلَا الْمُعَطِّلُ لِلسُّنَّةِ فَيُهْلِكَ الْاُمَّةَ ..... "

اس خطبہ میں رہبر و حاکم کی ان صفات کا ذکر ہوا ہے جن سے اسے مبّرا ہونا چاہیے تاکہ اس عہدہ اور ولایت کی عظمت واضح ہو جائے جو بجائے خود تقویٰ و پاکی کی دلیل ہے۔

فرماتے ہیں جو شخص لوگوں کے جان و مال اور عزت و ناموس کا محافظ ہے اور مسلمانوں کا رہبر ہے اسے ان صفات کا حامل ہونا چاہیے:

● —— بخیل نہ ہو ورنہ لوگوں اور عام بیت المال پر بُری نظر رکھے گا۔

- —— جاہل نہ ہو، ورنہ اپنی جہالت اور نادانی کے باعث لوگوں کو گمراہ کرے گا۔
- —— سخت نہ ہو، ورنہ اپنی سختی کی وجہ سے رعایا کو اپنے سے دُور کرے گا۔
- —— تقسیم اموال کے سلسلہ میں ظلم نہ کرے ورنہ بغیر کسی سبب کے ایک گروہ کو دوسرے پر ترجیح دے گا۔
- —— حکم وفیصلوں میں رشوت لینے والا نہ ہو، ورنہ حقوق کو پامال کرے گا اور حدود الہٰی کو متوقف کردے گا۔
- —— سنت وقانون الہٰی کو معطل کرنے والا نہ ہو ورنہ امتِ مسلمہ کو ہلاک کردے گا۔

مختصر یہ کہ بخل، جہالت، خشونت، رشوت گیری، حیف ومیل بیت المال اور سنت الہٰی کو معطل کرنے والے کو مسلمانوں کا حاکم ووالی نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ لوگوں کے جان ومال وناموس پر مسلط ہوتا ہے اور وہ مسلمانوں کا رہبر اور ان کے لیے نمونہ ہوتا ہے۔

اس لیے ایسے شخص کو ان بُری صفات کا حامل نہیں ہونا چاہیے —— !

اس خطبہ میں اگرچہ عدالت وتقویٰ کو صریحی طور پر ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن ایسی خصوصیات کا ذکر ہے جو متقی، عادل، خداترس انسان کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاسکتیں۔

(۳) —— نہج البلاغہ: خطبہ ۱۶۳ میں حضرت علیؑ سے اس وقت

یہ کلام نقل کیا گیا ہے جب لوگوں نے آکر حضرتؑ سے عثمان کی شکایت کی اور خواہش کی آپؑ ذرا عثمان کو نصیحت فرما دیجیے، اس وقت حضرتؑ نے فرمایا:

"فَاعْلَمْ اَنَّ عِبَادِ اللّٰہِ عِنْدَ اللّٰہِ اِمَامٌ
عَادِلٌ هُدِیَ وَهَدٰی فَاَقَامَ سُنَّةً
مَعْلُوْمَةً وَاَمَاتَ بِدْعَةً مَجْهُوْلَةً
وَاَنَّ السُّنَنَ لَنَيِّرَةٌ لَهَا اَعْلَامٌ
وَاَنَّ الْبِدَعَ لَظَاهِرَةٌ لَهَا اَعْلَامٌ
وَاَنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ اِمَامٌ
جَائِرٌ ضَلَّ وَضُلَّ بِهٖ فَاَمَاتَ سُنَّةً
مَاْخُوْذَةً وَاَحْيَا بِدْعَةً مَتْرُوْكَةً
وَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ يَقُوْلُ: يُؤْتٰى يَوْمَ
الْقِيَامَةِ بِالْاِمَامِ الْجَائِرِ وَ
لَيْسَ مَعَهٗ نَصِيْرٌ وَلَا عَاذِرٌ فَيُلْقٰى

فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيَدُوْرُ فِيْهَا كَمَا تَدُوْرُ الرَّحٰى ثُمَّ يُرْتَبَطُ فِيْ قَعْرِهَا"

یہ سمجھ لو کہ خدا کے نزدیک بندوں میں سب سے بلند وہ امامِ عادل ہے جو خود ہدایت یافتہ ہو اور دوسروں کو ہدایت کرنے والا ہو اور جس نے سنتِ معلومہ کو قائم کیا ہو اور بدعت مجہولہ (یعنی جو چیز دین میں نہ ہو اس کو دین میں شامل کرنا) کو فنا کیا ہو۔ یقیناً سنتیں روشن ہیں اور ان کی علامات و نشانیاں ہیں اور بدعتیں بھی واضح ہیں اور ان کی علامتیں بھی موجود ہیں۔ اور خدا کے نزدیک سب سے بدتر بندہ وہ امام ہے جو ظالم ہو، خود گمراہ ہو، دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہو، اور جس نے سنت و قانونِ الٰہی کو مُردہ کر دیا ہو اور بدعت ہائے متروکہ کو زندہ کر دیا ہو۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ: قیامت کے دن ظالم امام کو اس طرح لایا جائے گا کہ اس کا نہ کوئی مددگار ہو گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی عذر خواہی کرنے والا ہو گا پھر اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور وہ آتشِ جہنم میں اس طرح گردش کرتا ہوا جائے گا جس طرح چکی گردش کرتی ہے اور پھر وہ قعرِ جہنم

میں محبوس کر دیا جائے گا۔

(۳) بصیرت، تدبیر، شجاعت

مسلمانوں کے حاکم میں ان صفات کے موجود ہونے کی ضرورت اس لیے ہے کہ معاشرہ وحکومت کا ان اوصاف کے بغیر چلانا ناممکن ہے۔

کیونکہ جب تک کوئی شخص انتظامی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور امور میں بصیرت نہ رکھتا ہو، وہ معاشرے کو چلا نہیں سکتا جس طرح ایک چھوٹے سے خاندان کے لیے منتظم ضروری ہے۔

مثلاً اگر باپ گھر کے ماحول میں منتظم نہ ہوگا تو خاندان کو چلانے پر قادر نہیں ہوسکتا ——— اسی طرح پورے معاشرے کے انتظام کے لیے تدبیر وبصیرت ضروری ہے۔

اسی طرح خارجی وداخلی دشمنوں کی دھمکیوں اور حملوں کے مقابلہ کے لیے شجاعت وشہامت کا ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ پہلی شکل میں ہی اس کے پیر اکھڑ جائیں گے اور وہ اپنے کو بچانے کے لیے ہر قسم کی ذلت کو گوارا کرے گا چاہے اس کو اجنبیوں کے ہاتھ ملک کا سودا کرنا پڑے تب بھی وہ تیار ہو جائے گا۔

اسی لیے رہبر کے لیے جن صفات کو قرآن نے ضروری قرار دیا ہے ان میں صبر بھی ہے۔ صبر کا مطلب استقامت ہے۔ اور اس کا مظاہرہ دشمنوں کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن کہتا ہے:

" فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ " [۱]

" جس طرح اولوالعزم انبیار نے صبر کیا ہے اسی طرح آپ بھی صبر کیجیے۔"

دوسری جگہ ہے :

" فَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ " [۲]

" ان لوگوں کی باتوں پر صبر کرو۔"

بلکہ پیغمبرؐ کو ۱۹ مقامات پر قرآن نے صبر کا حکم دیا ہے۔

" وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ " [۳]

" ہم نے (بنی اسرائیل میں سے) ایسے امام (و رہبر) بنائے جو ہمارے فرمان کے مطابق ہدایت کرتے ہیں بعد اس کے کہ انھوں نے صبر کیا اور ہماری نشانیوں پر یقین کیا۔"

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ شرائط امامت میں سے صبر بھی ہے اور

---

[۱] سورہ احقاف ۴۶ - آیت ۳۵ [۲] سورہ طٰہٰ ۲۰ - آیت ۱۳۰

[۳] سورہ سجدہ ۳۲ - آیت ۲۴

جن انبیاء کو امامت دی گئی ہے وہ اسی وقت دی گئی ہے جب وہ مقام صبر کے حامل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس کی دلیل نہج البلاغۃ میں حضرت علیؑ کا یہ قول ہے جو ہم اس سے پہلے بھی نقل کر چکے ہیں کہ:

"اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اَحَقَّ النَّاسِ بِهٰذَا الْاَمْرِ اَقْوَاهُمْ عَلَیْهِ وَاَعْلَمُهُمْ بِاَمْرِ اللّٰهِ فِیْهِ۔"

"اے لوگو تم میں اس امر حکومت کے لیے موزوں ترین فرد وہ ہے جو اس پر سب سے زیادہ قوی ہو اور جو امور حکومت کے سلسلہ میں فرامین الٰہی سے سب سے زیادہ آگاہ ہو۔"

اور واضح ہے کہ حکومت وامامت کے لیے قوی ترین وہی شخص ہوگا جو اس کو اچھے طریقہ سے چلا سکے۔ اور بہترین منتظم و مدبّر ہو، ڈرپوک اور بزدل نہ ہو یہی فرد حکومت کے لیے قوی ترین ہے۔

ولایت اور لوگوں کی عمومی رائے

گزشتہ مباحث میں جہاں مبنی اسلام کی بنیاد پر ولایت وامامت کے جو مسائل پیش کیے گئے ان سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ،

امام معصوم کی موجودگی میں ———

امامت وحکومت صرف معصوم کے لیے مخصوص ہے،

اور ———

امام معصوم خدا کی طرف سے منصوب ہوتا ہے۔

بارہ اماموں کی امامت کا اعلان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہو چکا تھا اور پھر ہر امامؑ نے بھی اپنے بعد کے امامؑ کی تشخیص و تعیین کر دی تھی ــــــ!

لیکن جب امام معصوم نظروں کے سامنے نہ ہوں اور ان تک رسائی ممکن نہ ہو تو معاشرہ کی رہبری و ولایت، فقیہ عادل و بصیر کے ذمہ ہوتی ہے اور اس کے لیے بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ بھی خدا کی طرف سے منصوب ہوتا ہے،

بس اتنا فرق ہے کہ ــــــ

امام معصوم کا منصوب ہونا شخصی ہوتا ہے۔

بایں معنی کہ ایک معین شخص امامت کے لیے نامزد ہو جاتا ہے۔

لیکن فقیہ کے سلسلہ میں یہ بات نہیں ہے بلکہ جو صفات و شرائط بیان کی گئی ہیں وہ جس پر منطبق ہوں وہ بطور عموم معین ہوتا ہے۔

لہٰذا، ولی فقیہ کی امامت بھی چونکہ امام معصوم کی طرح خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ یعنی یہ ایک الٰہی امانت و ذمہ داری ہے جو خدا کے حکم سے فقیہ کے سپرد کی جاتی ہے۔ اس لیے اس کے ثبوت ہیں ــــــ

لوگوں کی رائے سے اس کا انتخاب بے معنی چیز ہے۔

اور جس طرح غیر الٰہی حکومتوں میں حاکم و والی کا دار و مدار آرائے عمومی سے وابستہ ہوتا ہے، یعنی اس کا انتخاب آرائے عمومی اور لوگوں کے انتخاب کرنے پر موقوف ہوتا ہے،

یا اہل سنت کے نظریہ کے مطابق ــــــ

رسول خدا کے بعد حکومت انتخابی ہے، انتصابی نہیں ہے۔

یعنی ولایت و حکومت کا دار و مدار، عقلائے امت سے وابستہ ہوتا ہے اور ان کو

اختیار ہوتا ہے کہ جس کو چاہیں ولی و امام معین کر دیں۔

ولی فقیہ کا مسئلہ اس طرح کا نہیں ہے کہ،

جس شخص کو خدا کی طرف سے ولایت دی جا چکی ہے، اس کو اگر لوگ رائے نہ دیں اور اس کو رہبری کے لیے منتخب نہ کریں تو وہ ولی و امام نہ ہوگا۔ اور کسی بھی معاملہ میں اس کی مداخلت غاصبانہ و بے دلیل ہوگی۔

جی نہیں —— ایسا نہیں ہے ——

وہ خدا کی طرف سے نمائندہ ہے، لوگ رائے دیں یا نہ دیں وہ حاکم ہے —— اور ہر چیز میں اس کو مداخلت کا حق ہے۔

اور یہی شیعوں کا نظریہ ہے کہ ولایت و حکومت کا دار و مدار خدا کے معین کرنے پر ہے، لوگوں کی رائے سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

البتہ ایک بات یہ ہے کہ،

اگر لوگ اس مکتب کو قبول نہ کریں،

—— یا رہبر کے انتخاب میں غلطی کریں —— یا —— نافرمانی کریں یا اپنے عمل میں آزاد نہ ہوں، ان کے سامنے موانع موجود ہوں تو ان تمام صورتوں میں خارجی طور پر ولایت الٰہی کا تحقق نہیں ہو سکے گا اور وہ حکومت الٰہی عملی جامہ نہیں پہن سکے گی۔ جیسے ہمارے بارہ اماموں میں سے سوائے حضرت علیؑ کے آخری ایام کے کسی امامؑ نے عملاً حکومت نہیں کی اور ان کی امامت و حکومت عملی جامہ نہیں پہن سکی ——

حالانکہ وہ خدا کی طرف سے ولی امر اور امام واقعی تھے،

اور لوگوں پر ان کی اطاعت واجب تھی ——

لیکن عملاً ایسا نہیں ہو سکا۔

اسی طرح طولانی زمانۂ غیبت میں فقہائے عظام کی حکومت اسبابِ بالا میں سے کسی سبب کی بنا پر عملی جامہ نہیں سکی اور ہمارے فقہائے کرام اپنے ہاتھوں میں زمامِ حکومت نہ لے سکے۔

ہاں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ،

ولایت وحکومت کے عملی ہونے میں ــــــــــ

آرائے عمومی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ جب تک لوگ پشت پناہی نہیں کریں، ولایت وحکومت کا قابل عمل ہونا ناممکن ہے۔

جیسے کہ حضرت علیؑ ہی کو لیجیے ــــــــــ

جب تک لوگوں نے عام طور سے بیعت نہیں کی، اس وقت تک زمامِ حکومت آپؑ کے ہاتھوں میں نہیں آئی۔ بلکہ خود پیغمبر اسلامؐ جب تک مدینہ نہیں پہنچے اور لوگوں کی پشت پناہی حاصل نہیں ہو گئی حکومت کی تشکیل نہیں کر سکے۔

بس نتیجہ یہ نکلا کہ ــــــــــ

ثبوتِ ولایت تو لوگوں کی رائے پر موقوف نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی کو خدا نے ولی بنا دیا ہے تو وہ حاکم ہے چاہے لوگ اس کی رہبری وحکومت کو قبول کریں یا نہ کریں۔ البتہ حکومت کا عملی ہونا اس وقت تک ناممکن ہو گا جب تک آرائے عمومی اس کے حق میں نہ ہو۔

البتہ فقیہ کے سلسلے میں یہ ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں کئی ایسے افراد ہوں جن میں تمام شرائط وصفات پائی جاتی ہوں تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں عہدہ دار تو ایک ہی ہو گا تو اس وقت چند افراد میں سے کسی ایک فرد کا انتخاب کر کے حکومت اسلامی کی تشکیل کی راہوں میں سے ایک راستہ اکثریت کی رائے ہے جس سے ان چند افراد میں سے ایک فرد معین ہو جائے گا اور دوسروں سے یہ ذمہ داری ساقط

ہو جائے گی۔

لیکن پھر عرض کردوں کہ اکثریت کی رائے ولایتِ فقیہ کے ثبوت کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ مشکل کے حل کرنے کا صرف ایک طریقہ ہے۔

کثرتِ رائے کیونکر حاصل کی جائے؟

کبھی تو فطری طریقہ سے کسی معین شخص کے لیے رائے عامہ ہموار ہوتی ہے یعنی لوگوں کی اکثریت کسی ایسے شخص پر متفق ہو جاتی ہے جس میں رہبری کی تمام لازمی صفات پائی جاتی ہیں جیسا کہ آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی (قدس سرہ) کے بارے میں ہوا کیونکہ ملّت نے چند سالوں کے اندر امام خمینیؒ کو اچھی طرح پہچان لیا،

اور انقلاب کے زمانہ میں ــــــــــــ

کئی طریقوں سے ان کی رہبری کا دنیا کے سامنے اظہار ہوا،

اور مظاہرات کے اندر، جلوسوں میں، جن کے اندر لاکھوں کی تعداد میں افراد ہوتے تھے "خمینی رہبر" کا نعرہ لگایا جاتا تھا۔

ایسی صورت میں فرداً فرداً لوگوں کی رائے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ بات سب ہی پر روشن و واضح ہے۔

تاریخ شیعیت میں مرجع تقلید کے انتخاب کے لیے بکثرت ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ یعنی کوئی ایسا شخص جس میں مرجعیت عامہ کی شرائط ہوں رفتہ رفتہ کرکے اس کی شناخت ہوتی ہے اور لوگ مختلف مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی مرجعیت مسلّم ہو جاتی ہے۔

جیسے کہ انقلاب سے پہلے بھی امام خمینی کو فتویٰ لینے اور تقلید کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کی اکثریت آپ ہی کی جانب رجوع کرتی تھی۔ بلکہ اکثر

گزشتہ بزرگ مراجع تقلید کی مرجعیت اسی طرح کی تھی۔

بالفرض اگر کسی ایک شخص کے لیے ایسی اکثریت نہ ہو اور چند ایسے اشخاص موجود ہوں جن میں رہبری کی شرائط اور زعامت کی صفات موجود ہوں اور کسی کے لیے کوئی امتیاز نہ ہو یا کسی ایک کی تشخیص نہ کی جا سکے اور عوام بھی یا تو ان حضرات کے بارے میں کافی معلومات نہ رکھتے ہوں یا سب کو برابر سمجھتے ہوں تو پھر ایسی صورت میں کسی ایک کے لیے قطعی اکثریت تو ثابت نہ ہو پائے گی اور لوگ اپنے شخصی مسائل میں چاہے وہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے، تقلید کرنے میں مختار ہیں کہ ——

جس مرجع کی طرف مائل ہوں اس کی تقلید کریں۔

البتہ ——

اگر کوئی بڑی تلاش و جستجو کے بعد،

اور اعلم و اعدل کی تشخیص سے مایوس ہو جانے کے بعد چاہے تو احتیاط پر عمل کرے یا جب تک مرجع کی تشخیص نہ ہو جائے سابق تقلید پر باقی رہے۔

لیکن بقاء پر تقلید میت کے مسئلہ میں ——

کسی ایک زندہ مجتہد کی تقلید کرنی ہوگی۔

جیسے کہ اب تک کا طریقہ یہی تھا کہ جب کسی مرجع عام کا انتقال ہو جاتا تھا اور کوئی ممتاز شخصیت موجود نہیں ہوتی تھی تو وہ چند حضرات جو مرجعیت کی صلاحیت رکھتے تھے، لوگ ان میں سے کسی ایک کی تقلید کر کے سابق مرجع کی تقلید پر باقی رہتے تھے، یہاں تک کہ جب مرجع کی تشخیص ہو جاتی تھی تو اس کی تقلید کرتے تھے یا احتیاط پر عمل کرتے تھے اور موجودہ حضرات میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کر لیتے تھے اور کچھ مدت کے بعد کسی نہ کسی فرد کی اکثریت ثابت ہو جاتی تھی۔ البتہ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی عمومی مرجع کی تشخیص نہ ہو سکنے کی بنا پر لوگ مختلف مراجع

تقلید کی طرف رجوع کرتے تھے۔

لیکن رہبریت و ولایت کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں انتظار کیا جائے کیونکہ حکومت کے بہت سے اجرائی مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں توقف و انتظار کی گنجائش نہیں ہوتی لہٰذا اس مسئلہ میں موجود رہبر کی موت سے پہلے بغیر کسی توقف کے ابعد والے رہبر کی تشخیص کر لینا ضروری ہے، ورنہ ایک مدت تک معاشرہ کو ولایت و حکومت شرعی و قانونی کے بغیر چھوڑنا پڑے گا اور یہ ناممکن ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ــــــــــــــ

رہبر کا مسئلہ مرجع تقلید کے مسئلہ سے مختلف ہے۔

اسی لیے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے قانونِ اساسی کی دفعہ ۱۰۷[1] میں یہ بات کہی گئی ہے کہ:

تمام لوگ عام انتخاب کے ذریعہ مجلس خبرگان" کا انتخاب کریں گے۔ اور ان کو اس بات کا حق دیں گے کہ:

وہ لوگ (خبرگان) رہبر یا شورائے رہبری کا انتخاب کریں اور یہ افراد (یعنی خبرگان) ایسے ہوں گے جو اسلامی معیار و قانون اساسی کے مطابق تمام فقہا کے درمیان سے ایک شخص کو یا چند اشخاص کو جن میں رہبری کی صلاحیت ہو رہبری کے لیے منتخب کریں گے۔

اب اگر فقہا میں کوئی ایک ممتاز فرد بھرپور شرائط کے ساتھ موجود ہے تو اسی کو رہبری کے لیے منتخب کرلیں گے اور اگر تنہا کوئی ایک شخص ایسا نہیں ہے تو تین یا پانچ افراد کو عادل فقہا کے درمیان سے منتخب کر کے "شورائے رہبریت"

---

[1] اسلامی جمہوریہ ایران کے آئین کی جانب اشارہ ہے۔

کی تشکیل دیں گے۔ اس طرح رہبر یا شورائے رہبری کا انتخاب کثرت رائے سے ہی ہوگا البتہ عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ۔

یہ طرز انتخاب بھی دوسرے عنوان سے تاریخ شیعیت میں موجود ہے کیونکہ ہمیشہ سے لوگ مرجع تقلید کی تشخیص خود ہی نہیں کرتے تھے ——— بلکہ کسی شہر یا گاؤں یا حوزہ ہائے علمیہ کے علماء و مجتہدین کی طرف رجوع کرتے تھے، وہ لوگ جس کے لیے کہہ دیتے تھے، عوام اس کی تقلید کرتے تھے ———

کیونکہ جو شخص مجتہد ہوگا۔ وہی کسی کے فقیہ یا اعلم ہونے کی تشخیص کر سکتا ہے۔ یہ کام غیر مجتہد حضرات انجام نہیں دے سکتے۔

اعلم یا مجتہد کی شناخت کے منجملہ طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دو عادل مجتہد کسی کی اعلمیت یا اجتہاد کی گواہی دیں۔ اور مرجع تقلید کی تشخیص کے لیے لوگوں کو بھی چاہیے کہ مجتہدین اور صاحب نظر حضرات کی طرف رجوع کریں۔

چنانچہ گزشتہ مراجع تقلید معمولاً علماء و مجتہدین کے تعارف کرانے کی وجہ سے مرجعیت عامہ کے درجہ تک پہنچے ہیں۔

لیکن ولایت فقیہ و رہبریت کا مسئلہ، مرجع تقلید کے مسئلہ سے جداگانہ ہے کیونکہ مسئلہ تقلید میں اس کا امکان ہے کہ لوگ فطری اور تدریجی طور پر علماء کی طرف رجوع کریں۔ اس میں کوئی بہت بڑا اعتراض لازم نہیں آتا۔

لیکن رہبر و ولی امر کے انتخاب میں تاخیر نہیں کی جا سکتی کہ لوگ رفتہ رفتہ کرکے رہبر کو منتخب کریں۔ بلکہ اس کی قانونی شکل ہونی چاہیے۔

مختصر یہ ہے کہ ———

اگر لوگ مذکورہ شرائط کے ساتھ خود ہی رہبر کا انتخاب کرلیں

تو انتخاب خبرگان کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر لوگ منتخب نہیں کر سکتے تو عام انتخاب کے ذریعہ خبرگان کا انتخاب کریں اور مجلس خبرگان، رہبر یا شورائے رہبری کی تشخیص کرے۔

حاکم کے اختیارات

اسلامی نقطۂ نظر سے چونکہ فقیہ عادل، اسلامی معاشرہ کے انتظام و انصرام کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ بہترین طریقہ سے معاشرہ کو چلائے اور انتظام و انصرام کا وہ طریقہ اختیار کرے جو اسلامی حدود و قوانین کے اندر رہتے ہوئے معاشرہ کے تقاضوں کو پورا کرے۔

لہٰذا اس فقیہ عادل کے اختیارات جو معاشرہ پر ولایت رکھتا ہے، اسلامی ضابطہ اور معاشرہ کی مصلحتوں کے اندر محدود ہیں۔

بس اس کے علاوہ اس کے لیے کوئی محدودیت نہیں ہے۔

اور حکومت کی بھی کوئی مخصوص صورت نہیں ہے۔

صرف اتنا ہے کہ ——————

قانونِ الٰہی کی حکومت ہے۔

رہے دیگر مسائل، مثلاً حکومت کا جمہوری ہونا —— سربراہ کا انتخاب، مجلس شوریٰ کے انتخاب کا طریقہ —— ارکان حکومت کا انتخاب، وغیرہ، اس میں بھی کوئی مخصوص شکل و طریقہ اپنانے کی ضرورت نہیں ہے؛

بلکہ جس طریقہ میں بھی اسلامی معاشرہ کی مصلحت پوشیدہ ہو، ولی امر اسی کو بروئے کار لائے۔ یہ سب چیزیں انہی وقتی مسائل و قوانین میں سے ہیں جو قابلِ تغیر ہیں کہ حسب مصلحت و ضرورت ان کے لیے قانون وضع کیا جاتا ہے

اور حالات بدل جائیں تو ان قوانین میں بھی تغیر ممکن ہے۔

اور چونکہ رہبر انقلاب امام خمینی قدس سرہ کی نظر میں مصلحت یہ تھی کہ نوع حکومت اور اس کی مخصوص شکل، انتظام مملکت کا طریقہ، معاشرہ پر حاکم نظام، ذمہ دار افراد کے حدود و اختیارات بلکہ وہ تمام چیزیں جن کا ذکر قانون اساسی میں کیا گیا ہے،

یہ سب رائے عامہ کے ذریعہ طے ہوں،

اور ملک کے انتظام و انصرام کا انحصار رائے عامہ پر ہونا چاہیے

اس لیے یہی طریقہ کار استعمال کیا گیا۔

اور ریفرنڈم ۹ / ۱۰ / فروردین ۱۳۵۸ھ (فروری ۱۹۷۹ء)

کو قطعی اکثریت سے حکومت کی نوعیت (یعنی جمہوری اسلامی) کا تعین کیا گیا۔

اس کے بعد ملت نے عام انتخاب کے ذریعہ جمہوری اسلامی کی بنیاد پر بنیادی قانون (قانون اساسی) کی تدوین کے لیے نمائندے منتخب کیے۔ اور قانون اساسی کے اندر، شکل حکومت، اداروں اور اہل کاروں کے حدود و اختیارات اور ان کے درمیان روابط کو ضبط تحریر میں لایا گیا۔

اور چونکہ ملک پر حکومت کرنے والی تین قوتیں ہیں:

(۱) ——— قوتِ مقننہ، یعنی قانون بنانے والے۔

(۲) ——— قوتِ مجریہ، یعنی قانون کا نفاذ کرنے والے اور ان پر عمل کرانے والے۔

(۳) ——— قوتِ قضائیہ، یعنی فیصلے کرنے والی عدالتیں۔

ان میں دوسری قوت (قوتِ مجریہ) کے دو شعبے ہیں:

ایک انتظامی شعبہ ہے اور دوسرا فوجی شعبہ۔

انتظامی شعبہ کا سربراہ صدر جمہور ہے اور یہ تمام قوتیں اور تمام ممبران

فقیہ عادل کی زیر نظارت و سرپرستی ہوتے ہیں۔

دوسری طرف چونکہ ہر شخص کے فرائض و وظائف معین ہونا چاہیے اس لیے فقیہ و رہبر کی ذمہ داریاں بھی بعض مواقع کے لیے محدود کردی گئیں جن کا ذکر قانون اساسی کی دفعہ ۱۱۰ میں مذکور ہے۔

لہٰذا قانونِ اساسی میں بعنوان وظیفہ و ذمہ داری جو فقیہ و رہبر کے لیے بیان کیا گیا ہے وہ صرف ضرورت کی بنا پر ہے جس کا احساس نظام جمہوری اسلامی میں کیا گیا ہے، ورنہ اسلامی نقطہ نظر سے ـــــــــــــــــــ

حاکم شرع و ولی امر کے اختیارات میں،

حد بندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے ـــــــ! علاوہ اس محدودیت کے جو قانون اور معاشرتی مفادات کی پیدا کردہ ہے کہ جیسے:

ہر ایک کی ذمہ داری کو معین کر دے،

مراکز قدرت کو متعدد نہ ہونے دے!

اور ظاہر ہے قانونِ اساسی میں لامحالہ رہبر کے لیے ایسی محدودیت کی تجویز پیش کی جائے گی۔

دوسرے اعتراض کا جواب دیتے وقت ہم رہبر کی ذمہ داری کس قسم کی ہے؟ اور دیگر قوتوں سے اس کے رابطہ کی کیا صورت ہے؟ ان سب کو وضاحت سے بیان کریں گے۔

دو۲ اہم اعتراض

قانونِ اساسی میں ولایت فقیہ کے مسئلہ پر افراد و گروہوں اور بعض مذہبی و قومی شخصیتوں کی طرف سے اعتراضات کیے گئے ہیں جن میں دو۲ اعتراض

اہم ہیں لہٰذا ہم ان کا جواب دیں گے۔

پہلا اعتراض

قانونِ اساسی کی دفعہ ۵ اور ۱۱۰ میں جو ولایتِ فقیہ سے متعلق ہیں اور دفعہ ۶ اور ۵۶ میں عوام کی حکومت سے متعلق ہیں تضاد و تعارض ہے۔

میں ذیل میں اپنے قارئین کے لیے ان دفعات کے متون کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں تاکہ فیصلہ میں آسانی ہو۔

دفعہ ۶:

جمہوری اسلامی ایران میں ملک کے تمام امور کا انتظام رائے عامہ کے ذریعہ ہوگا۔ یا تو انتخابات کے ذریعہ (مثلاً صدر جمہوریہ کا انتخاب، مجلس شورائے ملی کے نمائندوں کا انتخاب)، دیگر امور میں شوریٰ (کے ممبران کا انتخاب) اور اس قسم کے دیگر امور یا ریفرنڈم اور دوسرے انتخابی طریقۂ کار جس کا ذکر اسی قانون کی دیگر دفعات میں ہوا ہے۔

دفعہ ۵۶:

جہان و انسان پر حاکمیتِ مطلقہ صرف خدا کے لیے ہے اور اسی نے انسان کو اپنی معاشرتی تقدیر کا حاکم بنایا ہے، کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کے دیے ہوئے اس حق کو انسان سے چھین لے یا اس کو کسی فرد یا مخصوص جماعت کے فائدے کے لیے استعمال کرے۔ قوم اس حقِ خداداد کو آئندہ بیان کی جانے والی دفعہ کے مطابق استعمال کر سکتی ہے۔

دفعہ ۵:

زمانۂ غیبتِ امام عج میں جمہوری اسلامی ایران کے اندر ولایت امر اور امامتِ امت کا عہدہ اس فقیہ عادل، متقی، شجاع، مدبّر، منتظم، حالات زمانہ سے

اگاہ، کے سپرد ہوگا جس کو اکثریت نے رہبری کے لیے پرکھا اور قبول کیا ہو۔ اور اگر کبھی ایسا فقیہ نہ ہو کہ جس کو اکثریت تسلیم کرتی ہو تو رہبر یا شورائے رہبری جو درج بالا شرائط کے حامل فقیہ پر مشتمل ہو کو دفعہ ۱۰۷ کے مطابق ذمہ داری دی جائے گی۔

دفعہ ۱۰۷:

اس قانون کی دفعہ پنجم کے مطابق جب کوئی بھی ایسا فقیہ جس میں مذکورہ شرائط پائی جاتی ہوں، لوگوں کی قطعی اکثریت کے ساتھ مرجعیت و رہبری کے لیے پرکھا اور قبول کیا گیا ہو، جیسا کہ مرجع تقلید و رہبر انقلاب آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی (قدس سرہ) کے لیے ہے تو وہ فقیہ رہبر و والی امر اور ذمہ داریوں کا عہدہ دار ہوگا۔

اس صورت کے علاوہ مجلس خبرگان جسے لوگوں نے منتخب کیا ہے تمام ان لوگوں کے بارے میں جو صلاحیت مرجعیت و رہبری رکھتے ہیں تحقیق کرے گی اور مشورہ کے بعد اگر کوئی ایک مرجع جو رہبری کے لیے مخصوص شرائط کا حامل ہو تو اس کو بعنوان رہبر لوگوں سے متعارف کرائے گی۔

ورنہ تین یا پانچ مراجع جن میں رہبری کی شرائط موجود ہوں گی ان کو ممبران شورائے رہبری کے لیے معین کر کے لوگوں میں متعارف کرائے گی۔

دفعہ ۱۱۰:

قیادت کے اختیارات و فرائض:

۱۔ شورائے نگہبان کے فقہا کا تعین کرنا۔

۲۔ ملک کے عالی ترین مقام عدلیہ کا معین کرنا۔

۳۔ تمام مسلح افواج کا کمانڈر ان چیف درج ذیل ترتیب کے ساتھ:

الف: چیف جائنٹ آرمی اسٹاف کو معزول و معین کرنا۔

ب: سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کے سربراہ کو معین و معزول کرنا۔

ج : اعلیٰ دفاعی کونسل کی تشکیل۔ یہ شوریٰ درج ذیل سات افراد پر مشتمل ہوگا۔

(۱) صدر جمہوریہ (۲) وزیر اعظم (۳) وزیر دفاع (۴) چیف جائنٹ آرمی اسٹاف (۵) سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کا سربراہ (۶) , (۷) رہبر کی طرف سے معین دو مشاور۔

د : اعلیٰ دفاعی کونسل کی تجویز پر تینوں فوجوں (بری، بحری اور فضائی) کے سربراہوں کو معین کرنا۔

ھ : اعلیٰ دفاعی کونسل کی تجویز کے مطابق جنگ و صلح کا اعلان اور فوجوں کی لام بندی کا اعلان۔

۴ــــ لوگوں کی طرف سے انتخاب کے بعد، صدر جمہوریہ کے انتخاب کی منظوری، صدر جمہوریہ کے عہدہ کے لیے امیدواروں کی صلاحیت کا ان شرائط کے نقطۂ نظر سے جائزہ لینا جو اس قانون میں موجود ہیں، انتخاب سے قبل شورائے نگہبان کی تائید اور پہلے مرحلہ میں رہبر کی منظوری۔

۵ــــ سپریم کورٹ اگر حکم دے دے کہ صدر جمہوریہ نے قانونی فرائض کی خلاف ورزی کی ہے یا مجلس شورائے ملی رائے دیدے کہ صدر جمہوریہ میں سیاسی اہلیت نہیں ہے تو ملکی مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے صدر جمہوریہ کو معزول کرنا۔

۶ــــ سپریم کورٹ کی تجویز کے بعد اسلامی حدود کے اندر مجرمین کی معافی یا ان کی سزاؤں میں تخفیف کرنا۔

پہلے اعتراض کی تحقیق

یہ بات سب ہی کو معلوم ہے کہ ریفرنڈم کی بنیاد پر ۱۱، ۱۲ فروردین ۱۳۵۸ھ ش (فروری ۱۹۷۹ء) کو ملکی حکومت کو جمہوری اسلامی قرار دیا گیا ہے۔

اور جمہوری اسلامی ایک مخصوص مکتب فکر کا نظام ہے جو لوگوں کی کثرتِ رائے پر یقین رکھتا ہے اور تمام وہ نظامِ حکومت جو کسی مکتب فکر کے ماتحت ہوتے ہیں ان میں لوگ اپنی قسمت کا فیصلہ دو مرحلوں میں کرتے ہیں۔

پہلے مرحلے میں مکتب فکر کا انتخاب ہوتا ہے۔ یعنی لوگ پہلے انتخاب کے ذریعہ یہ طے کرتے ہیں کہ جو نظام ہمارے اوپر حکومت کرے گا وہ کس مکتب فکر کا نظام ہے۔

دوسرے مرحلے میں اس نظام میں جو مقامات آرارِ عمومی سے متعلق ہیں ان کے بارے میں انتخاب ہوتا ہے مثلاً مجلس شورائے ملی کے نمائندوں کا انتخاب، صدر جمہوریہ کا انتخاب جو وہ مکتب فکر طے کرے۔

شک نہیں کہ اس قسم کے نظام میں قوم و ملت کا حق رائے دہی محدود شرائط کے ساتھ صرف ان مقامات کے لیے ہوتا ہے جہاں یہ نظام ضروری خیال کرتا ہے۔ کیونکہ قوم و ملت نے پہلے انتخاب میں مکتب فکر کی حاکمیت تسلیم کر لی ہے اس لیے اس نے خود ہی اپنے حق کو محدود کر لیا ہے۔

مثلاً روس کے قانونِ اساسی کے دفعہ ۴ میں ہے:

" روس کی حکومت اور اس کے تمام ممبران سوشلسٹ نظام کی بنیاد پر عمل کریں گے، ضابطہ، قانون کی حفاظت کریں گے معاشرہ کے مفادات کی نگرانی کریں گے، شہریوں کی آزادی

ان کے حقوق کے ذمّہ دار ہوں گے۔"

اور دفعہ ۶ میں اس طرح تحریر ہے:

"روسی معاشرہ کی رہنمائی کرنے والی طاقتیں اور سیاسی نظام کے بنیادی ارکان، اجتماعی و سرکاری کارکنان سب ہی کمیونسٹ نظام کے پابند ہوں گے اور یہی کمیونسٹ پارٹی، مارکس اور لینن کی تعلیم سے آراستہ ہو کر معاشرہ کی اصلاح اور روس کی داخلی و خارجی سیاست کو معین کرے گی۔"

اور جمہوریہ چین کے قانون اساسی میں اس طرح تحریر ہے:

"دفعہ ۲: چین کی کمیونسٹ پارٹی تمام چینی عوام کی رہبری کرنے والی ہے۔"

آپ خود ہی ملاحظہ فرمائیے، چین، روس کی رہبری کرنے والی پارٹی، کمیونسٹ ہوگی۔ اور جس نظام کو بروئے کار لائے گی وہ سوشلزم ہوگا۔

اس قسم کی حدبندی، جو ایک مکتب فکر کی طرف سے لوگوں کی رائے و انتخاب پر عائد کی گئی ہے وہ ان کی (یعنی لوگوں کی) حاکمیت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ انھیں لوگوں نے اپنے لیے یہ پسند کیا ہے کہ ہمارے اوپر جو نظام حکومت کرے گا وہ فلاں پارٹی ہوگی۔ اس لیے اس عام انتخاب اور اپنے لیے ایک مخصوص پارٹی کی حکومت کو پسند کرنے کے بعد وہ پارٹی جو بھی شرائط ان کے لیے معین کرے اس پر عمل کرنا ہوگا۔

بنیادی طور سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مکاتب فکر رائے عامہ کو حیثیت دیتے ہیں لیکن عوامی رائے پر ایک مخصوص طریقہ سے عمل کرتے ہیں۔

رائے عامہ کے لیے راستہ کا تعین کرنا، حکومت کو روبہ عمل لانا غیر مکتبی نظام

میں بھی موجود ہے۔ لیکن دوسری شرائط کے ساتھ ۔ جیسے کہ ریاست جمہوری یا پارلیمنٹ کے نمائندوں کے لیے دیگر ممالک میں ہوا کرتا ہے۔

مثلاً تیونس کے صدر جمہوریہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کی عمر چالیس سال سے کم نہ ہو یا الجزائر کے قانونِ اساسی میں ہے کہ ۳۵ سال سے کم نہ ہو ۔ اردن کے قانونِ اساسی میں تقریباً پارلیمنٹ کے ممبروں کے لیے آٹھ شرطیں ضروری ہیں۔

پس جس طرح اس قسم کی شرائط عوامی حاکمیت کے منافی نہیں ہیں اور نہ لوگوں کے انتخاب میں بے جا قسم کی مداخلت و حد بندی ہے بلکہ ان امور سے آگاہ کرنا مقصود ہے جو ان کی تقدیر سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ خود عوام ہی ہیں جو مختلف مواقع پر خود ہی اس قسم کی حد بندی اور ایسی شرائط پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح کتنی حکومتوں میں بھی شرائط کی موجودگی عوامی حاکمیت کو محدود کرنے کے مساوی نہیں ہے۔

اب ہم مسئلہ " ولایت فقیہ کس طرح قوم کی حکمرانی کے خلاف ہے " کو بیان کرکے اس کا جواب دیں گے۔

اس مسئلہ کے حل کے لیے درج ذیل موضوعات پر گفتگو کی جا سکتی ہے :

(۱) —— ایک صورت اعتراض کی یہ ہو سکتی ہے کہ دفعہ پانچ میں ذکر شدہ شرائط کے ساتھ کسی فقیہ عادل یا شورائے رہبری کی سرپرستی عوام کی حاکمیت کے منافی ہے۔ بایں معنی کہ جب عوام حاکم ہے تو اس کو اختیار ہے کہ ایسے فقیہ کا انتخاب کرے یا نہ کرے، کیونکہ وہ آزاد ہے اور حاکم ہے لہٰذا اس کو ان شرائط کے حامل رہبر کے انتخاب کے لیے مجبور کرنا عوام کی آزادی و

حاکمیت کے منافی ہے ۔

یہ اعتراض اس لیے غلط ہے کہ جب پہلا انتخاب ہوا تھا کہ عوام کس نظامِ حکومت کو پسند کرتے ہیں؟ اس وقت جمہوری اسلامی کو قبول نہیں کرنا چاہیے تھا ۔

جمہوری اسلامی کے لیے رہبر یا شورائے رہبری اسی طرح ضروری ہے جیسے سورج کے لیے دن ۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جمہوری اسلامی کو قبول کر کے رہبر کے اصول کو تسلیم نہیں کریں گے ۔

عوام نے جمہوری اسلامی کو تسلیم کر کے خود بخود فقیہ کی سرپرستی کو جو اس نظام کی ایک خصوصیت ہے قبول کر لیا ہے ۔

اور اگر جمہوری اسلامی میں یہ دفعہ عوامی حاکمیت کے منافی ہے تو روس کے قانون اساسی کی دفعہ ۳ اور چین کے قانونِ اساسی کی دفعہ ۲ بھی عوامی حاکمیت کے منافی ہے ۔

② ——— ممکن ہے یہ سوچا جائے کہ ولی فقیہ ، بغیر عوامی رائے و انتخاب کے ان پر حکومت کرتا ہے اور اس کے انتخاب میں عوامی رائے پر توجہ نہیں دی جاتی ۔

یہ اعتراض نہایت ہی لچر ہے ۔ کیونکہ قانونِ اساسی کی دفعہ ۱۰۷ میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی جا چکی ہے کہ اگر کسی فقیہ کو قطعی اکثریت کے ساتھ عوام نے مان لیا ہے جیسا کہ امام خمینی (قدس سرہ) کے سلسلہ میں ہوا ہے تو پھر وہی رہبر ہوگا ۔

اور قطعی اکثریت کا مطلب ہے کہ کم از کم ۸۰ فیصد لوگوں نے اس کو مان لیا ہے ۔ تو اتنی بڑی اکثریت تو صدر جمہوریہ اور پارلیمنٹ کے ممبران کے لیے بھی ضروری نہیں ہے ۔ کیونکہ یہاں تو صرف ۵۱ فیصد کافی ہے ۔

اب آپ بتائیے ، جس کو ۵۱ فیصد لوگ قبول کریں وہ تو عوام کا

منتخب کردہ نمائندہ ہے لیکن جس کو ۸۰ فیصد لوگ قبول کریں وہ بھلا عوام کا نمائندہ کیونکر نہ ہوگا ؟

ہاں اگر کسی فقیہ کو اتنی بڑی اکثریت نہیں مانتی تو پھر رہبر کا انتخاب خبرگان کے ذریعہ ہوگا اور خبرگان بہرحال عوام ہی کے منتخب کردہ نمائندے ہوتے ہیں تو خبرگان جس کو منتخب کریں گے وہ عوام کا بھی منتخب کردہ ہوگا مگر بالواسطہ۔

اور اگر کوئی صاحب اس پر مصر ہو جائیں کہ خبرگان کا منتخب کردہ عوام کا منتخب کردہ نہیں ہے، عوام کا منتخب کردہ تو وہی ہے جس کو براہ راست عوام منتخب کریں، تب تو پھر تمام ملکی قوانین، تمام حکومت کے افراد سب ہی براہ راست عوام کے منتخب کردہ ہونے چاہئیں۔

وزیراعظم کا معین کرنا، اور صدر جمہوریہ کے ذریعہ جو افراد معین کیے جاتے ہیں وہ سب ہی انتخاب کے ذریعہ ہونا چاہیے، کلکٹر، ڈپٹی کلکٹر۔

خلاصہ یہ کہ ہر ذمہ دار شخص کا تعین انتخاب سے ہو تو روزانہ عوام انتخاب ہی کرتے رہیں گے اور یہ بات تو دنیا کے ترقی یافتہ ترین اور جمہوری ترین ملکوں میں بھی نہیں ہے اور نہ یہ ممکن ہے۔ عوام کی حاکمیت کا مطلب یہ ہے کہ،

عوام کے نمائندوں کے ذریعہ ——————

تمام امور مملکت انجام دیے جائیں۔

روس کے قانون اساسی کی دفعہ ۲ میں ہے:

"روس کے سوشلسٹ نظام میں، حکومت کی ساری طاقت عوام کی عطا کردہ ہے۔ عوام اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعہ تمام امور انجام دیا کرتے ہیں۔"

اس میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ عوام کی ساری طاقت کا استعمال

اس کے نمائندوں کے ذریعہ ہوا کرتا ہے۔

بلکہ بعض ملکوں میں صدر جمہوریہ کا انتخاب بھی پارلیمنٹ کرتی ہے کیونکہ پارلیمنٹ عوام کی نمائندہ ہے۔

عوامی جمہوریہ ہنگری کے قانون اساسی کی فصل ۲ شق (ز) میں ہے:

"قومی اسمبلی کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ صدر جمہوریہ کے لیے کونسل منتخب کرے۔"

اور اسی فصل کی دفعہ ۲۹ میں ہے:

"قومی اسمبلی اپنے پہلے ہی اجلاس میں خصوصاً صدر جمہوریہ، دو نائب صدور اور ۱۷ ممبران شورائے ریاست کا انتخاب کرے گی۔"

یہ خود بہت بڑی دلیل ہے کہ قوم کے نمائندوں کی حیثیت سے ممبرانِ پارلیمنٹ جو انتخاب کرتے ہیں وہ خود عوام ہی کا انتخاب سمجھا جاتا ہے۔ جیسے کہ خود جمہوریہ ہنگری کے قانون اساسی کی فصل ۲ دفعہ ۱۹ شق ۲ میں آیا ہے:

"قومی اسمبلی تمام ان حقوق کا استعمال کرے گی جو عوام کی حاکمیت کا مظہر ہیں۔"

(۳) ——— تیسرا اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ بہت سے ذمہ داروں، مثلاً شورائے نگہبان کے فقہا یا سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، چیف آف جائنٹ آرمی اسٹاف، سپاہ پاسداران کے سربراہ، تینوں افواج کے سربراہ کا معین و معزول کرنا رہبر یا شورائے رہبری کا کام ہے، عوام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سلسلہ میں عوامی رائے کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔

یہ اعتراض بھی دو اعتبار سے بے بنیاد ہے :

الف: ان شخصیتوں کا تقرر اور برخاستگی رہبر کے ہاتھ میں نہ ہو تو کیا یہ کام براہ راست عوام کے ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے ؟ یا حکومت کے دیگر عہدہ داروں کے سپرد کیا جائے گا۔

اگر خود عوام کے سپرد کر دیا جائے تو قطع نظر اس بات سے کہ جمہوری ممالک میں بھی یہ رسم نہیں ہے، یہ بات ناممکن العمل بھی ہے۔ کیونکہ اس کا بہر حال امکان ہے کہ یہ لوگ سال میں کئی مرتبہ خیانت کی وجہ سے یا سیاسی شعور نہ رکھنے کی وجہ سے معزول کیے جائیں اور ہر بار عوامی رائے شماری کے ذریعہ ان جگہوں کو پُر کیا جائے تو عظیم مشکلات درپیش ہونے کے علاوہ خطیر اخراجات ہوں گے اور لوگوں کی عام زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے گی اور روزانہ لوگوں کو ووٹ ڈالنے کے لیے بھاگ دوڑ کرنا ہو گی۔

اور اگر عوام کی حکومت کا یہی مطلب ہے تو پھر صدر جمہوریہ، وزیر اعظم، پارلیمنٹ کے وزیروں کو بھی عوام کے ووٹ کے ذریعہ منتخب کرنا چاہیے۔ حالانکہ وزیر اعظم اور دیگر وزرا کو شاید کسی بھی ملک میں براہ راست عوام منتخب نہیں کرتے۔ بلکہ صدر جمہوریہ بھی بعض ممالک میں عوامی انتخاب سے نہیں منتخب ہوتا۔ حالانکہ معترض کے بقول ان تمام ممالک میں عوامی حکومت ہے۔

اور اگر مقصد یہ ہے کہ تقرر و برخاستگی، صدر جمہوریہ یا دیگر ارکان حکومت کے سپرد کی جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عوام کی حکومت کے لحاظ سے اس میں کیا فرق پڑتا ہے کہ مثلاً چیف جسٹس

صدر جمہوریہ کو مقرر کرے یا رہبر۔ اسی طرح دیگر عہدوں کا مسئلہ ہے
اور اگر یہ کہا جائے کہ صدر جمہوریہ یا ممبران پارلیمنٹ عوام کے نمائندے ہیں تو رہبر یا شورائے رہبری بھی عوام کے نمائندے یا عوام کے نمائندوں کے نمائندے ہیں۔

ب : جس طرح پہلے اعتراضات کے جواب میں کہا جا چکا ہے کہ جب عوام نے رہبر کو منتخب کر دیا تو اب رہبر جو بھی کرے گا وہ عوام کی نمائندگی میں کرے گا۔ بالفاظ دیگر خود عوام نے وہ کام انجام دیا ہے۔
اور جس طرح وزیر اعظم اور دیگر وزراء کی برخاستگی و تقرر، صدر جمہوریہ و مجلس شوریٰ کی وساطت سے ہونے کے باوجود یہ کام عوام کا سمجھا جاتا ہے اور عوام کی حاکمیت سے منافات نہیں رکھتا اسی طرح ان مقامات پر بھی تضاد نہیں ہے۔

(۴) ——— ایک صورت اعتراض کی یہ ہو سکتی ہے کہ صدر جمہوریہ کے امیدوار کی صلاحیت کی تشخیص، رہبر کرتا ہے اور وہ ہی اعلان کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر شخص صدر جمہوریہ کا امیدوار نہیں ہو سکتا اور عوام مجبور ہیں کہ محض رہبر کی جانب سے تشخیص کردہ امیدوار کو صدارت کے لیے منتخب کریں۔ اور دوسری طرف سپریم کورٹ جب صدر کے خائن ہونے کے سلسلہ میں رائے دے یا قومی اسمبلی یہ طے کر دے کہ یہ صدارت کی اہلیت نہیں رکھتا تو صرف رہبر ہی صدر جمہوریہ کو برخاست کر سکتا ہے، حالانکہ صدر جمہوریہ کے لیے ووٹ عوام دیتے ہیں

اور وہ عوام کا منتخب نمائندہ ہے۔

اس اعتراض کے جواب سے پہلے چند نکتے قابل توجہ ہیں :

(۱) ——— ہر ملک اور ہر حکومت میں صدر جمہوریہ یا دیگر عہدیداروں کے لیے کچھ نہ کچھ شرائط ہوتی ہیں اور ان شرائط کی تخصیص کوئی کمیٹی یا مخصوص فرد یا چند مخصوص افراد کرتے ہیں کہ آیا یہ شخص اس عہدہ کا مستحق ہے کہ نہیں ؟

ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ جو لوگ جس شخص کو چاہیں خواہ وہ مخصوص شرائط پر پورا اترتا ہو کہ نہیں اور خواہ اس ملک کے ذمہ داروں نے اسے متعارف کروایا ہو کہ نہیں ، صدر منتخب کرلیں۔

مثلاً بعض ممالک میں شرط ہے کہ صدر، چالیس سال سے کم عمر نہ ہو یا مخصوص مذہب کا پابند ہو۔

تو آخر کوئی کمیٹی یا فرد ایسا تو ہو جو اس بات کی تصدیق کرے کہ امیدوار میں یہ شرائط پائی جاتی ہیں۔ جب تک اس کا اعلان نہ کردیا جائے اس وقت تک وہ کیونکر امیدوار ہوسکتا ہے ؟

اسی لیے صوبائی یا ڈویژنل حکام کے دفاتر کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ جو لوگ امیدوار بننا چاہتے ہیں وہ اپنی اسناد پیش کریں۔ پھر اسناد کی تصدیق کے بعد ان کے امیدوار ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔

اور جو لوگ تاریخ معین تک اپنی اسناد و کوائف پیش نہیں کرپاتے ان کو انتخابات میں شریک ہونے کا حق نہیں ہوتا یعنی وہ امیدوار نہیں ہوسکتے۔

چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ فرانس میں پانچ سو وکلا اور یونیورسٹی کے اساتذہ کو کسی کے صدر جمہوریہ ہوسکنے کی صلاحیت کی تصدیق کرنا ہوتی ہے۔

ایران کی اسلامی جمہوریہ کے قانونِ اساسی میں ان تمام شرائط کے علاوہ جو دیگر ممالک میں رائج ہیں، ایرانی ہونا، امین، تقویٰ، ایمان اور اسلامی جمہوریہ کے بنیادی نظریات کا معتقد ہونا مذکور ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ؛

اسلام میں تمام عہدے اور منصب صرف صالح و باصلاحیت و مومن و امین افراد کے سپرد کیے جاتے ہیں تاکہ جاہ پسند اور عہدہ کو منافعِ مادی کا وسیلہ بنانے والے حضرات کو دور رکھا جا سکے اور ایسے لوگوں کو عہدے دینا مقصود ہے جو نظریۂ اسلامی اور جس طرح اسلام میں ان مناصب کا ذکر ہوا ہے اس طرح اپنے فرائض ادا کریں۔

اسلام میں منصب و عہدہ عوام کی خدمت کا وسیلہ بنایا گیا ہے اور جب تک ایسے امین، صالح اور باصلاحیت افراد عہدہ دار نہ ہوں گے، اسلامی نظام رائج نہ ہو پائے گا۔

اسی اعتبار سے انتظامیہ کا سربراہ ایسی صلاحیات و صفات کا حامل ہونا ضروری ہے جو اوپر بیان کی گئی ہیں تاکہ وہ اہل و صالح افراد کو رفتہ رفتہ دیگر عہدوں پہ مقرر کرے اور بیش بہا انسانی قوتوں کو کام میں لائے۔

حضرت علیؑ نے اشعث بن قیس کو لکھا کہ:

" وَإِنَّ عَمَلَكَ لَيْسَ لَكَ بِطُعْمَةٍ
وَلٰكِنَّهُ فِي عُنُقِكَ أَمَانَةٌ "

" تم کو جو منصب دیا گیا ہے وہ اس لیے نہیں ہے کہ تم اس کو لقمۂ تر بنا لو بلکہ یہ تمھاری گردن میں ایک امانت ہے۔"

لہٰذا یہ نہایت ضروری ہے کہ قانون میں ذکر شدہ شرائط و خصوصیات

کی تصدیق ملک کے ذمہ دار لوگوں کی طرف سے ہو۔

(۲) ——— صدر جمہوریہ کے عہدہ کے امیدواروں کی صلاحیت کی تشخیص کسی اہم ذمہ دار کے سپرد ہونی چاہیئے اس لیے شورائے نگہبان کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے۔ اور پہلے دورہ میں (یعنی جب تک شورائے نگہبان کا تقرر نہیں ہوا تھا) یہ کام رہبر کے سپرد رکھا گیا تھا۔

بہر حال یہ کام شورائے نگہبان کا ہے، رہبر کا نہیں ہے۔

اور شورائے نگہبان، فقہا اور قانون دان حضرات پر مشتمل ہوگی، اس میں قانون دانوں کا انتخاب اسمبلی کے نمائندوں کے ذریعہ ہوگا اور فقہاء کا تعین رہبر کرے گا اور خود رہبر بھی عوام کا نمائندہ ہی ہوا کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ امیدواروں کی صلاحیت اور جامع الشرائط ہونے کی تصدیق عوام کے نمائندے ہی کریں گے۔ خواہ دورہ اول ہو یا اس کے بعد کے دورے ہوں۔ اور عوام ان تمام افراد کے درمیان سے جن میں شرائط پائی جاتی ہیں نمائندوں کا انتخاب کثرتِ رائے سے کریں گے۔

(۳) ——— صدر جمہوریہ کے معزول کرنے کے سلسلہ میں قانونِ اساسی کے اندر اس طرح درج ہے:

"جب سپریم کورٹ حکم دیدے کہ صدر جمہوریہ قانونی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتا یا قومی اسمبلی کی رائے ہو کہ وہ سیاسی طور پر نااہل ہے تو رہبر یا شورائے رہبری ملک کی مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے صدر جمہوریہ کو معزول کر سکتے ہیں۔"

یہاں بھی رہبر عوام کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اور اس اعتبار سے

کہ قوم نے یہ ذمہ داریاں اس کے سپرد کی ہیں وہ صدر جمہوریہ کو معزول کر سکتا ہے۔"

اس نکتہ کی طرف توجہ بھی ضروری ہے کہ ——————

جب قوم نے قانون اساسی کی حمایت کی ہے اور اس کے لیے رائے دی ہے تو گویا تمام ذمہ داریاں اس نے خود ہی رہبر کے سپرد کر دی ہیں اور امور کی انجام دہی کے لیے اسے اپنا نمائندہ بنایا ہے۔

جس طرح وزیر اعظم یا دیگر وزراء کا تقرر و برخاستگی، قوم کے نمائندہ یا نمائندوں کے ذریعہ ہوتی ہے اور اس سے عوام کی حاکمیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اُسی طرح رہبر اگر بحیثیت نمائندۂ عوام، صدر جمہوریہ کا تقرر یا اس کو برخاست کرتا ہے تو اس سے عوام کی حاکمیت کیسے متاثر ہو جائے گی؟

دُوسرا اعتراض

طاقت کو فقیہ عادل کے سپرد کر دینا، مراکز قدرت کے تعدد کا سبب ہوگا اور ایک دو قطبی معاشرہ وجود میں آئے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قوانین کے عمل اور اجراء میں تضاد و تعارض پیدا ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ دیگر اعتراضات جو تقریراً، تحریراً دیکھے یا سُنے جاتے ہیں، جیسے محدودیت، معاشرہ میں استبداد کا پیدا ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کا جواب اصل مسئلہ کی وضاحت اور دونوں اعتراضوں کے جوابات کے بعد خود بخود واضح ہو جائے گا۔

اس اعتراض کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ قانون میں رہبر کو جو ذمہ داریاں دی گئی ہیں اور رہبر کا دیگر اداروں سے جو ارتباط بیان کیا گیا ہے اس کو بیان کر دیا جائے تاکہ باضمیر قاری کے لیے فیصلہ کرنا آسان ہو جائے۔

عہدۂ رہبری

دنیا کے ہر ملک میں تین قوتیں وجود رکھتی ہیں جو ملکی نظام کو چلاتی ہیں اور ان سب کی طاقت کا سرچشمہ عوام ہوا کرتے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) **قوۂ مقننہ**: یا وہ قوت جو ملکی قانون کو وضع کرنے اور ملکی انتظام کو چلانے کے لیے ضروری فیصلے کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

(۲) **قوۂ مجریہ**: جو دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہے ایک انتظامیہ دوسرے فوج۔ ان کی ذمہ داری، قانون کا نفاذ اور ملکی نظم و نسق کو برقرار رکھنا ہوتی ہے۔

(۳) **قوۂ قضائیہ**: اس کا کام یہ ہے کہ لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرے اور حقوق عامہ کو پامال نہ ہونے دے۔ اس طاقت کا استعمال ملک کی عدلیہ کرتی ہے۔

البتہ ایران کے جمہوری اسلامی کے قانون اساسی میں ایک چوتھی قوت کا اضافہ ہے اور یہ چوتھی قوت، پہلی تینوں قوتوں کی نگراں اور ان پر کنٹرول کرتی ہے۔ اسی کو ولایت امر اور امامت امت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس کے بارے میں دفعہ ۵ میں اس طرح کہا گیا ہے:

" ایران کی اسلامی جمہوریہ میں درج ذیل قوتیں حاکم ہوں گی قوت مقننہ، قوت مجریہ، قوت قضائیہ۔ اور ان کا استعمال

ولایت امر و امامت امت کے زیر نظر اس آئین میں مذکور آئندہ اصول کے مطابق ہوگا۔ یہ تینوں قوتیں ایک دوسرے سے الگ اور مستقل ہیں، ان کے درمیان ارتباط صدر جمہوریہ کے ذریعہ ہوگا۔"

ایک ایسی قوت جو تینوں قوتوں کی نگراں ہو، اس کا وجود آمریت کی روک تھام، ایک یا کئی افراد میں طاقت کے محدود ہو جانے سے حفاظت، استعمار کو مکمل طور پر دور کرنے اور نظام کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ بلکہ ائمہ معصومین ؑ سے مروی بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ یہ چوتھی قوت اسلامی نظام کے ارکان و ستون میں سے ہے۔ بطور نمونہ چند صحیح و معتبر احادیث کا ذکر کیا جا رہا ہے:

"زُرَارَةَ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ: بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسَۃِ اَشْیَاءٍ عَلَی الصَّلٰوۃِ وَالزَّکَاۃِ وَالْحَجِّ وَالصَّوْمِ وَالْوِلَایَۃِ۔ قَالَ زُرَارَۃُ فَقُلْتُ وَاَیُّ شَیْءٍ مِنْ ذٰلِکَ اَفْضَلُ؟ فَقَالَ اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَلُ لِاَنَّھَا مِفْتَاحُھُنَّ وَالْوَالِیُّ ھُوَ الدَّلِیْلُ عَلَیْھِنَّ۔"[1]

---

[1] وسائل ج ۱ کتاب الطہارۃ باب ۱ ۔ حدیث ۲

زرارہ ائمہ سلام اللہ علیہم اجمعین کے مشہور اصحاب
میں سے ہیں وہ اس حدیث میں امام محمد باقرؑ سے نقل
کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں
پر رکھی گئی ہے، نماز، زکات، حج، روزہ، ولایت"
پھر زرارہ نے پوچھا ان پانچوں میں سب سے افضل اور اہم
کون سا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: ولایت، کیونکہ ان دوسری
چاروں کی کنجی ولایت ہے۔ اور ان کا رہنما والی ہوتا ہے۔"

یہاں پر اتنی وضاحت ضروری ہے کہ یہ پانچوں چیزیں اسلام کے اخلاق
عبادتی، اقتصادی، اجتماعی نظاموں کا نمونہ ہیں اور ولایت ان سب کی رہنما
اور کلید ہے اور ظاہری بات ہے کہ ولایت کی اہمیت اجرائے امور کی وجہ سے
ہے ورنہ دیگر اعتقادی اصول جیسے توحید، نبوت، معاد، ان کی اہمیت کم نہیں ہے،
بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام اصول اور اعتقادی مسائل توحید اور ایمان باللہ کی
وجہ سے ہیں۔ اور باوجودیکہ ——————

توحید اور دوسرے ارکانِ اسلام بہت زیادہ اہمیت کے
حامل ہیں پھر بھی ان کا روایات کے اندر بہ عنوان ستونِ اسلام و پایۂ اسلام تعارف
نہیں کرایا گیا صرف ولایت کو اسلام کا بنیادی ستون قرار دیا گیا ہے۔

اور یہ فقط اور فقط اس وجہ سے ہے کہ ——————

اسلام کا تمام پہلوؤں کے ساتھ عملی جامہ پہننا ولایت
پر منحصر ہے۔

اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ولایت سے مراد یہاں صرف
امامت ائمہ معصومینؑ ہے یا یہ عمومی مفہوم کی حامل ہے جس میں فقیہ عادل کی ولایت

بھی شامل ہو سکے جو امامؑ کا نائب ہوتا ہے۔

کیونکہ ولایت کی اہمیت و برتری کی دلیل ——————

دین کے عملی جامہ پہننے کو قرار دیا گیا ہے جو دونوں جگہ یعنی امامت ائمہ اور ان کے نائبین میں وجود رکھتی ہے۔

لہٰذا ——————

لفظ ولایت خواہ تمام مراتب ولایت معصوم و غیر معصوم کو شامل کیے ہوئے ہو اور یا صرف ائمہ معصومین کے لیے ہو، تب بھی حدیث میں بیان کی گئی علت کچھ اس قسم کی ہے ——————

جو فقیہ عادل کو بھی شامل کر لیتی ہے۔

کہ ولایت فقیہ درحقیقت اسی نظام امامت کو دوام بخشتا ہے اور یہ ولایت معصوم کا ایک پرتو ہے۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ جس طرح زمان حضور معصومؑ میں امام معصومؑ کا نائب جو ایک صوبہ کا حاکم ہوتا ہے، جیسی ولایت رکھتا ہے، زمانہ غیبت میں اسی قسم کی ولایت فقیہ عادل کو حاصل ہوا کرتی ہے۔

ملک کی قوتوں اور اداروں کی درجہ بندی میں رہبر ایک ناظر اور سرپرست کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ دو خصوصیات کا حامل ہے۔

ایک یہ کہ وہ ماہر قوت ہے اور حقیقت میں وہ اس لیے دیگر قوتوں کا نگراں مقرر کیا گیا ہے کہ ایک تو نظام حکومت کے مبنی بر دین ہونے کی حفاظت کر سکے اور دوسرے یہ کہ بتدریج مومن اور صالح افراد کو دیگر قوتوں کا سربراہ قرار دے اور مومن اور باصلاحیت انسانی طاقتوں کو اوپر لائے اور رفتہ رفتہ پورے ملک میں اسلامی نظام کو رائج کر دے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ کیونکہ رہبر ایک دینی اور مذہبی شخصیت ہوگا اس لیے لامحالہ دوسرے افراد اور قوتوں کی نسبت اسے عوام کی زیادہ حمایت و پشت پناہی حاصل ہوگی اور رہبر اور عوام کے درمیان ایک اعتقادی اور ایمانی رشتہ موجود ہوگا جس کے نتیجہ میں نظام و حکومت اور عوام کے درمیان محکم و مضبوط رشتہ استوار ہوگا۔

اب ہم اس بات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اس طاقت (ولایت فقیہ) کا ملک پر حاکم دوسری قوتوں سے کیا ربط و تعلق ہے اور ان کی ذمہ داریاں کس بنیاد پر تقسیم کی گئی ہیں تاکہ کوئی تعارض و ٹکراؤ نہ پیدا ہوسکے اور ہمارا معاشرہ دو قطب یا چند قطب پر تقسیم نہ ہوجائے۔

ولیِ فقیہ کا
مقننہ، مجریہ اور عدلیہ سے رابطہ

① مقننہ سے ارتباط

سب جانتے ہیں کہ مقننہ (قانون وضع کرنے والوں) کو وضع قانون میں اور ان تمام فیصلوں میں جو ملکی انتظام کے لیے ضروری ہیں اور تمام داخلی وخارجی قراردادوں اور تمام ان ذمہ داریوں میں جو اس قانون کے ذریعہ ان کے سپرد ہیں، صد در صد تین باتوں کا لحاظ لازماً رکھنا ہوتا ہے۔

الف: ــــــ غیر اسلامی اور ظالمانہ قوانین کسی بھی طرح وضع وتدوین نہ کیے جائیں۔

ب: ــــــ وضع قانون میں قانون اساسی کی حدود سے باہر نہ جائیں۔

ج: ــــــ قراردادوں اور ملکی انتظامی فیصلوں کے اندر استعمار کو مکمل طور پر رد کریں، کیونکہ استعمار کی مخالفت ہی قانونِ اساسی اور اسلام

کا سب سے اہم مقصد ہے۔ اسی طرح غیر ملکی تسلط و نفوذ اور امپیریلیزم کی بھی کوئی گنجائش پیدا نہ ہونے دیں۔

انھیں باتوں کی نگرانی پارلیمنٹ پر نگران، شورائے نگہبان کے توسط سے رہبر کرتا ہے اور یہ اس قانون یا قرارداد کو جو اسلام کے مخالف ہو یا قانون اساسی کے دائرہ سے باہر ہو یا اس سے استعمار کی پشت پناہی ہوتی ہو نافذ ہونے سے روک دیتا ہے۔

اور دوسری طرف جیسا کہ گزشتہ بحثوں میں بیان ہوا ہے، ضروری قوانین جن کو اسمبلی پاس کرتی ہے، جب تک ولی امر فقیہ عادل اس کو پاس نہ کردے وہ قانون اسلامی والی نہیں ہوتا۔ اور نہ لوگوں پر اس قانون کی پابندی واجب ہے۔

اسی لیے شورائے نگہبان کے فقہا کی ذمہ داری ہے کہ چونکہ وہ حضرات ولی فقیہ کی نمائندگی کرتے ہیں اس لیے قانون کی صحت کو جانچ کر کہ یہ قوانین شریعت سے متصادم نہیں اس کا قانون کی حیثیت سے اعلان کریں۔

۲ مجریہ سے ارتباط

قوت مجریہ کی دو قسمیں ہیں:

۱: انتظامی

۲: فوجی

انتظامیہ کا سربراہ براہ راست صدر جمہوریہ ہوتا ہے اور رہبر کا رابطہ صدر سے براہ راست ہوتا ہے۔ صدر جمہوریہ کے سلسلہ میں رہبر کی ذمہ داری معین ہے جس کا خلاصہ دو صورتوں میں ہوتا ہے:

۱۔ صدر جمہوریہ کے تقرر کے وقت ۔ جب شورائے نگہبان صدر جمہوریہ کے تمام امیدواروں یا بعض کی صلاحیت کی تائید کردیں اور لوگ ووٹ کے ذریعہ کسی ایک کا انتخاب کرلیں تو رہبر صدارت جمہوریہ کے لیے منتخب شخص کی منظوری دیتا ہے۔

۲۔ جب صدر جمہوریہ مجلس شورائے اسلامی کی نظر میں ملک کی صدارت کا نااہل ثابت ہو یا سپریم کورٹ تشخیص کردے کہ صدر اپنی قانونی ذمہ داریوں کی خلاف ورزی کرتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں رہبر ملکی مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر صدر کو معزول کرسکتا ہے۔

پس رہبر، صدر جمہوریہ کی ذمہ داریوں میں یا دیگر انتظامی مقامات میں براہ راست مداخلت کرنے کا مجاز نہیں ہے اس لیے ٹکراؤ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اب رہا فوجی امور میں تو رہبر تمام مسلح قوتوں کا حاکم اعلیٰ ہوتا ہے اور یہ ذمہ داری رہبر کے سپرد اس لیے کی گئی ہے کہ دو باتیں وجود میں نہ آسکیں:

۱۔ فوجیوں میں استعمار کا اثر و نفوذ نہ ہونے پائے۔ کیونکہ استعمار اور بڑی طاقتوں کی طرف سے ملک کو ہمیشہ جو خطرہ رہا ہے وہ فوجی بغاوت کا ہے۔ لیکن جب رہبر کی نگرانی رہے گی تو یہ احتمال کم سے کم ہوجائے گا کیونکہ عموماً بغاوتیں غدار افسروں ہی کے ذریعہ وجود میں آتی ہیں جنھیں استعمار اپنا آلۂ کار بنالیتا ہے۔

لیکن رہبر کی قیادت و نگرانی ہوگی تو مسلح قوتوں میں سے باصلاحیت و مومن و فداکار افراد ہی کو ان عہدوں کے لیے منتخب کیا جائے گا اور خائن، بے ایمان لوگوں کو ایسے اہم عہدوں کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیا جائے گا۔

اور دوسری طرف رہبر قومی دفاع کی اعلیٰ مشاورتی کونسل تشکیل دیتا ہے جو فوج اور دوسری مسلح طاقتوں کے اندرونی مسائل کی نگرانی اور ان پہ

کنٹرول حاصل کرتی ہے اور نتیجہ میں ایک ایسی مکتبی اور طاقتور فوج کا وجود عمل میں آتا ہے جو امپیریلزم کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتی ہے۔ اور قوم اور دیگر مسلح طاقتوں کا رابطہ محکم تر ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا ملک سیاسی، فوجی، اقتصادی وابستگی سے نجات حاصل کر چکا ہے اور تمام فوجی معاہدے کالعدم قرار دیے جا چکے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ملک لامحالہ ایسے معاہدوں میں شریک ممالک کی فوجی حمایت سے خارج ہو چکا ہے، ہمیں چاہیے کہ ـــــــــــ

اب ہم خود اپنے آپ پر بھروسہ کریں؛

نیز ایسی حالت میں جبکہ بڑی طاقتیں اور ان سے وابستہ ممالک نہ صرف یہ کہ ہماری حمایت نہیں کرتے بلکہ آئے دن ہم دیکھتے ہیں کہ ملک کے گوشہ و کنار میں نت نئی سازشوں کا جال بچھایا جا رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کبھی امپیریلزم فوجی مداخلت کے ذریعہ شیطانی حکومت کو واپس لانے کی کوشش بھی کرے۔ ایسی صورت میں تمام لوگوں پر تمام قوتوں کے ساتھ مل کر دفاع کرنا واجب ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے اوپر ایک انسانی اور اسلامی فریضہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ دنیا کے مستضعفین خصوصاً مسلمانوں کی ہر ممکن مدد و حمایت کرنا۔ اس صورت میں ایک عوامی دفاعی قوت کا وجود ناگزیر اور مسلّم ہے۔

اور سب سے اہم سبب جو ایک عوامی فوج پیدا کر سکتا ہے اور مسلح طاقتوں کی بھرپور مدد کر سکتا ہے وہ لوگوں کا ایمان ہے اور اس حقیقت پر ایمان کہ سرزمینِ اسلام سے دفاع یا مستضعفینِ جہان کی مدد ایک الٰہی فریضہ ہے اور اس سے سرپیچی فرمانِ خدا کی مخالفت ہے جس کا نتیجہ دردناک عذاب ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

"وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ[۱]"

"تم کو کیا ہو گیا ہے کہ راہ خدا اور مستضعفین "چاہے وہ مرد ہوں یا عورت یا بچے" کے لیے جنگ نہیں کرتے ہو؟"

اور یہ ایمان کہ اس سلسلہ میں فداکاری وجاں بازی شہادت ہے جس کا انجام لقائے الٰہی ہے۔ ارشاد ہے:

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَا آتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ[۲]"

صدر اسلام کے مسلمانوں کی کامیابی اسی طرح طاغوتی نظام سے ایرانی عوام کا ٹکرا کر کامیابی حاصل کرنے کا راز لوگوں کے ایمان میں مضمر ہے۔ گزشتہ تاریخ اور انقلاب ایران راہ اسلام میں مسلمانوں کی جانبازی وفداکاری کی شاہد ہے۔

۱؎ سورۂ نساء ۴ - آیت ۷۵

۲؎ سورۂ آل عمران ۳ - آیات ۱۶۹، ۱۷۰

اور لوگوں میں یہ ایمان اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب ان کو معلوم ہو کہ یہ جنگ خدا و اسلام کے لیے ہے۔ اور ان کا عمل ایک الٰہی وظیفہ ہے۔ دفاع کا حکم ایسے مقام سے صادر ہوا ہے جس کے فرمان کی اطاعت خدا نے واجب قرار دی ہے اور اس فرمان کی مخالفت خدا کی مخالفت ہے۔

اور صرف ایسی شخصیت کا فرمان ہی یہ خصوصیات رکھتا ہو گا کہ جو رسول خداؐ کی جانب سے یا ائمہ معصومینؑ کی جانب سے منصوب ہو۔

اور ان میں سے ایک فقیہ عادل بھی ہے۔

درحقیقت اسلامی نظام کی بنیاد ہی یہ ہے کہ معاشرہ خدا کے حکم کے سامنے سرنگوں ہو جائے۔ چنانچہ قرآن کا اعلان ہے:۔

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا" [۱]

اسلامی معاشرہ جیسا کہ خود نام "اسلام" سے ظاہر ہے، یعنی ایسا معاشرہ جو خدا کے سامنے سراپا تسلیم ہو۔ نہ کہ انسانوں، بڑی طاقتوں، ہوا و ہوس اور شیطان کے سامنے سرنگوں ہو۔

اگر خدا کی طرف سے انبیاء، و ائمہ اور فقہا و عادل حکمرانوں کی اطاعت و

---

[۱] سورہ نساء ۴۔ آیت ۶۵

فرمانبرداری کا حکم نہ ہوتا تو ہمارے پاس ان کی اطاعت کا کوئی جواز نہ تھا۔ کیونکہ انسان کو آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ اور کسی انسان کو دوسرے پر حکومت کا حق نہیں ہے۔ صرف ذاتِ پروردگار، تنہا جہان و انسان پر حاکم و فرمانروا ہے۔

اس کے بعد صرف ان لوگوں کو حکومت کرنے کا حق ہے ——

جن کی حکومت الٰہی ہو اور خدا کی طرف سے اس کی اطاعت کا حکم ہوا ہو —— اور صرف انبیاء و ائمہ اور ان کے نائبین ہی کو یہ حق حاصل ہے۔

اسی لیے تمام قوتوں کا سربراہ ایک فقیہ عادل ہونا چاہیے تاکہ لوگ اس کی اطاعت کو الٰہی و اسلامی فریضہ سمجھ کر ادا کریں،

اور یہ عقیدہ رکھیں ——

کہ ہم حکم خدا کی اطاعت کر رہے ہیں۔ یہانتک کہ یا شہید ہو جائیں اور یا کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں اور آخری دم تک بغیر کسی خوف کے دشمن کا مقابلہ کریں۔ کیونکہ جو شخص اپنی جانبازی و فداکاری کو صد در صد نتیجہ خیز سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ اپنی منزل تک بہر حال پہنچے گا اور دو چیزوں میں سے ایک چیز ضرور حاصل کرے گا ——

یا شہادت یا کامیابی؛

تو وہ اپنے راستہ پر گامزن رہے گا۔

اس کے برعکس اگر بعض اسباب کی بنا پر وہ قوی دشمن سے نبرد آزما ہو بھی جائے تو کیونکہ از نظر شخصی اسے اپنے عمل کے لیے کسی نتیجہ کا یقین نہیں ہے اس لیے لازماً موت کے خوف کی وجہ سے اور عمل کے بے نتیجہ ہونے کی وجہ سے میدانِ مبارزہ میں ثابت قدمی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔

۳ عدلیہ سے ارتباط

ایرانی مسلمانوں کی منجملہ اور خواہشات کے ایک عظیم خواہش عدالتوں کا اسلامی ہونا اور عدالتوں میں اسلامی قوانین وضوابط کا بروئے کار لانا بھی تھا کیونکہ لوگ عدالتوں کی تھکا دینے والی کارروائی اور پیچیدہ طریقہ کار اور نتیجۃً حقوق عامہ کی پائمالی، رشوت، پارٹی بازی، سفارشات اور اس قسم کی دیگر خرافات سے عاجز آگئے تھے اور ایک ایسے دن کے خواہشمند تھے۔ جب شکایتوں کی شنوائی جلد ہوسکے، فیصلہ کرتے وقت انصاف کا لحاظ رکھا جائے۔

اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے عدالتوں میں ایک انتظامی انقلاب، شہری قوانین کی تنظیم، اسلامی قوانین کی بنیاد پر ہونا لازمی تھا اور اسلامی قوانین کی بنیاد پر قاضی کا خود مجتہد ہونا یا مجتہد کی طرف سے منصوب ہونا ضروری تھا ——— ! اسی لیے ایران میں عدالتوں کے اوپر ایک کمیٹی بنام شورائے عالی قضائی میں پانچ ایسے مجتہدین کا ہونا ضروری ہے جو قانونی وعدالتی مسائل سے باقاعدہ آگاہی رکھتے ہوں۔ تاکہ یہ شوریٰ عدالتی نظام کو درست کرے اور عدالتوں کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھے۔ اور قاضی حضرات بھی اسلامی شرائط کے حامل ہوں۔

اس اہم کونسل کی نگرانی کے لیے بنیادی آئین میں کہا گیا ہے کہ ———

سپریم کورٹ کا چیف جسٹس اور پراسیکیوٹر جنرل جو کہ عدالت کے اعلیٰ ترین منصب ہیں۔ یہ دونوں اس کمیٹی کے ممبر ہیں اور انھیں عادل مجتہد اور عدالت اور قوانین سے آگاہ اشخاص ہونا چاہیے۔ اور ان کا تقرر رہبر اور قضات کے باہم مشورے کے بعد ہونا چاہیے۔ رہبر کا عدلیہ کے ساتھ رابطہ انہی لوگوں کی وساطت سے قائم ہوتا ہے۔

اسی طرح "رہبر" شورائے نگہبان کے واسطہ سے قوت مقننہ کے ساتھ

اور شورائے عالی قضائی کے واسطہ سے عدلیہ کے ساتھ اور صدر جمہوریہ کے واسطہ سے انتظامیہ کے ساتھ رابطہ رکھے گا اور ان تمام قوتوں کی نگرانی کرے گا۔

ایسا نہیں ہے کہ ولایت فقیہ دوسری قوتوں سے علیحدہ کوئی چیز ہے کہ جس کا دوسری قوتوں سے کوئی رابطہ نہیں اور اس کے نتیجہ میں کئی مراکز قدرت وجود میں آتے ہیں۔ جس طرح وزیر اعظم اپنی ذمہ داریاں واضح ہونے کی بناپر صدر جمہوریہ اور دیگر ارکان سے تعارض و تضاد نہیں رکھتا۔

یہی صورت رہبر کی بھی ہے ——————

کہ وہ تمام قوتوں کا نگراں ہے، کیونکہ اس کی ذمہ داری واضح ہے، دیگر قوتوں سے کوئی تعارض و تضاد نہیں رکھتا۔

اور جس طرح کسی معاشرہ کے اسلامی ہونے کے لیے تمام قوتوں کے سربراہ کا فقیہ عادل ہونا بنیادی شرط ہے۔ اسی طرح نظامِ طاغوتی میں فقیہ عادل کا نہ ہونا بنیادی شرط ہے۔

بحث کے آخر میں یہ بات بھی یاد دلادی جائے کہ قانون اساسی میں جو باتیں تحریر کی گئی ہیں ان کی تائید تقریباً ۱۶ ملین افراد نے کی ہے اور یہ ان چند مہینوں کے اندر چوتھا موقع ہے کہ جب ایرانی قوم اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے اور عوامی حاکمیت کا ثبوت دینے کے لیے خود آزادانہ طور پر پولنگ اسٹیشنوں پر گئی اور اپنی رائے کا اظہار کیا۔

اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس قانون کے لیے تقریباً ۱۶ ملین افراد نے رائے دی ہے، اس قانون کی مخالفت ——————

کیا عوامی حاکمیت کی مخالفت نہیں ہے؟

پس یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ قانون اساسی کی دفعہ ۱۱۰ کو بدل دینا

چاہیے۔ کیا یہ عوامی حاکمیت کی مخالفت کا ایک طریقہ نہیں ؛

کیا یہ عوامی رائے کی مخالفت نہیں ہے ؟

اور کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مخالفین کی نظر میں، عوام کی رائے کی کوئی قیمت نہیں ہے ؟

اور کیا یہ دفعہ ۶ اور دفعہ ۵۶ کی مخالفت نہیں ہے ؟

کیا دنیا میں کوئی مثال ملتی ہے کہ عوامی حاکمیت کا نام لے کر ان کی رائے کو مسترد کیا جائے ؟

اس کے علاوہ ایک دوسرا سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ آیا ولی فقیہ کے لیے عوامی تائید اس کے ثبوت اور واقعیت کی شرائط میں شامل ہے یا ولایت کے عملی ہونے کی شرط ہے ؟

ظاہر ہے کہ عوامی تائید ثبوتی شرائط میں سے نہیں۔

اس مسئلہ میں ان لوگوں کا شور وغل زیادہ قابل تعجب ہے جو ان مسائل سے خود بہت اچھی طرح واقف ہیں۔ بلکہ اس سلسلہ میں ہونے والے سوالات کا ان حضرات نے مثبت جواب دیا ہے اور قانون اساسی کے اندر فقیہ عادل کو جو اختیارات دیے گئے ہیں۔ یہ حضرات تو اس کے کہیں زیادہ کے قائل ہیں۔

یہ بات تو سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی کہ وہ مسئلہ جو ثبوتی طور پر بھی ولایت فقیہ میں دخالت نہیں رکھتا اور قانون میں اس سے صرف نظر کیا گیا ہے وہ بنیادی اعتراض کے عنوان سے اتنا اُبھارا جائے گا کہ جس سے قانون اساسی میں تبدیلی کی بابت سوچا جائے۔

یہ بات ضرور قابل توجہ ہے کہ ــــــــــــــــ

آخر وہ کون لوگ اور طاقتیں ہیں جنہیں قانون اساسی کی منظوری

اورخصوصاً مسئلہ ولایت فقیہ کی بنا پر نقصان اٹھانا پڑا ہے، کیا ایسا نہیں کہ ایران کی طویل تاریخ میں استعمار کو تمام گروہوں اور جماعتوں کے مقابلہ میں علماء نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے اور ہر اس تحریک نے جس کی قیادت علماء نے کی استعمار کو شکست سے دوچار کیا ہے۔

سلاطین قاچار کے خلاف علماء کی جدوجہد خصوصی طور پر تحریک تمباکو اور تحریک مشروطیت میں علماء کا بنیادی کردار اس کا زندہ ثبوت ہیں کہ استعمار اور خوں خوار امپیریلزم اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ اسی گروہ (علماء) سے وحشت زدہ ہیں جنھیں عوام کی بھرپور حمایت حاصل ہے۔

اور اس کی روشن ترین مثال مسلمان ایرانی قوم کی رہبر عظیم الشان مرجع تقلید حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی (رضوان اللہ تعالیٰ علیہ) کی قیادت میں جدوجہد ہے کہ جس نے معجزانہ طور پر کئی ہزار سالہ شہنشاہیت کو جسے بڑی طاقتوں بلکہ بہت سے مغربی و مشرقی ممالک کی حمایت و پشت پناہی حاصل تھی کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور اب بھی یہ قوم امریکہ جیسے جہان خوار امپیریلزم سے حالتِ جنگ میں ہے اور اس کے مفادات کی تمام رگوں کو قطع کر کے اب تمام مستضعفینِ جہان اور خصوصاً مسلمانوں کو ان خون چوسنے والی طاقتوں سے رہائی دلانے کی راہ پر گامزن ہے۔

اور اب تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ امریکہ اور اس کے پٹھو ممالک اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ ——————

یہ مذہبی اور معنوی قوت ہی ہے جس نے ان کے منافع بلکہ دنیا پر ان کی خود غرضانہ حکومت کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ اور تیسری دنیا میں ان کے اثر و نفوذ کے خلاف جدوجہد کر رہی ہے۔ اسی بنا پر یہ طاقتیں اپنے ہر ممکن ذرائع، قوتوں اور کوششوں کے ساتھ اس حکومت کو نقصان پہنچانے پر کمر بستہ ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ

خود ہمارے ذریعہ سے اس اصول کو مسترد یا کم از کم متزلزل کرائیں جو ہمارے ملک میں ان طاقتوں کے اثر و نفوذ کی روک تھام کا موثر ترین عامل ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم طول تاریخ میں استعمار کی شکست کے عامل کو فراموش نہ کریں اور کوشش کریں کہ اس عامل کو مزید مضبوط و قوی بنائیں۔ اور یہ جان لیں کہ

استعمار صرف اسی صورت میں انقلاب اسلامی کو شکست دے سکتا ہے کہ جب اس کی قیادت آگاہ اور مجاہد علماء سے چھین لے اور انھیں میدانِ عمل میں قوم سے جدا کر دے۔

یہ لوگ نئے نئے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ کبھی دین و سیاست میں جدائی کے نام پر علماء کو گوشہ نشین کرتے ہیں اور کبھی "دین بغیر علماء" کا راگ چھیڑ دیتے ہیں اور کسی روز قوم کی صفوں میں انتشار و اختلاف کو ہوا دیتے ہیں۔

لیکن ملتِ مسلمان خدائے قادر کے بھروسہ اور امام عصرؑ کی عنایتوں کے زیر سایہ کمال ہوشیاری سے ان کی تمام سازشوں کا توڑ یکے بعد دیگرے کرتی جا رہی ہے اور ان چالوں سے بڑی متانت، ہمت اور عظمت کے ساتھ نبرد آزما ہے

ربنا افرغ علینا صبرا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت نعم المولیٰ و نعم النصیر وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

تمام شد

اسلام کے انقلابی افکار اور حقیقی معارف کے ادراک کیلئے

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

کی پیش کش

کتاب	مصنف	قیمت
ہمارا پیام	الشہید سید محمد باقر الصدر	۱۵/۰
کتاب المؤمن	حسین بن سعید اہوازی	۲۰/۰
تذکرہ مجید شہید ثالث	سید سبط الحسن ہنسوی	۱۵/۰
تشیع اور رہبری	الشہید سید محمد باقر الصدر	۱۰/۰
درسِ قرآن	استاد شہید مرتضیٰ مطہری	۴۰/۰
درسِ انقلاب	محمد مہدی الآصفی	۱۰/۰
صدائے حضرتِ سجادؑ	محمد یوسف حریری	۲۰/۰
فکرِ حسینؑ کی الف ب	ڈاکٹر محمد رضا صالحی کرمانی	۲۵/۰
تفسیرِ عاشورا	سید علی شرف الدین موسوی	۲۰/۰
مکتبِ تشیع اور قرآن	سید علی شرف الدین موسوی	۶/۰
عاشورا اور خواتین	ڈاکٹر علی قائمی	۲۵/۰
عورت پردے کی آغوش میں	استاد شہید مرتضیٰ مطہری	۲۰/۰
آسان مسائل	حجۃ الاسلام شیخ محمد وحیدی	۴۰/۰
مادیت و کمیونزم؟	آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی	۱۲/۰
اسلام دینِ حرکت	ڈاکٹر علی قائمی	زیرِ طبع
فلسفۂ امامت	محمد مہدی الآصفی	۲۵/۰
پیامِ شہیداں	ڈاکٹر علی قائمی	زیرِ طبع
شرحِ اصطلاحاتِ اسلامی	ڈاکٹر علی محمد نقوی	زیرِ طبع
عظیم لوگوں کی کامیابی کے راز	آیت اللہ جعفر سبحانی	زیرِ طبع
آسان عقائد	مجلسِ مصنفین	۲۰/۰
حسین شناسی	محمد یزدی	۴۵/۰